ابنِ حلّاج رح

طواسین

المعارف گنج بخش روڈ لاہور

طواسین

اصل عربی متن و روزبہان بقلی کی فارسی شرح مع اردو ترجمہ و تشریحات

تصنیفِ لطیف
حسین بن منصور حلّاجؒ

تحقیق و ترجمہ
عتیق الرحمٰن عثمانی

ادارت و اہتمام
محمد ارشد قریشی

المعارف ۔ گنج بخش روڈ لاہور

ناشر : ـــــ المعارف گنج بخش روڈ، لاہور

طابع : ـــــ بختیار پرنٹرز ۔ لاہور

سالِ اشاعت : ـــــ ۱۹۸۳ء / ۱۴۰۳ھ

تعداد : ـــــ ایک ہزار

بسعی و اہتمام

نجیب احمد قریشی

ترتیب

پیشِ لفظ

۱۹۷۵-۷۶ء میں جیلانی کامران صاحب گورنمنٹ کالج راولپنڈی میں بحیثیت پرنسپل موجود تھے۔ آپ ان دنوں حلاج کی مشہور تصنیف "کتاب الطواسین" پر کام کر رہے تھے۔ خوش قسمتی سے آپ نے اس سلسلہ میں مجھے اپنا شریکِ کار بنالیا۔ بعد میں آپ ہی کی حوصلہ افزائی سے راقم الحروف نے طواسین کے عربی متن کو اردو ترجمہ میں منتقل کرنے کا کام شروع کیا۔ ترجمہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ علم دوست حضرات پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ خاص طور پر طواسین جیسی کتاب کے ترجمے کا کام جس کے شروح وحواشی تقریباً ناپید ہیں۔ فرانسیسی زبان سے میں واقف نہیں ہوں اس لیے براہِ راست لوئی ماسینوں کی تالیفات سے استفادہ نہیں کر سکا۔ البتہ ان کی کتابوں کے بعض انگریزی تراجم سے کہیں کہیں فائدہ اٹھایا ہے۔

ترجمہ کے اختتام پر یہ خیال پیدا ہوا کہ صرف ترجمہ ہی ہدیۂ ناظرین نہ کیا جائے۔ کیونکہ جب تک متن سامنے نہ ہو کتاب سے کماحقہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اور پڑھنے والا اندھیرے میں رہتا ہے۔ دوسری وجہ متن کی نایابی ہے اور ہمارے نزدیک یہ بھی وقت کی اہم ضرورت ہے کہ طواسین کے متن کو پوری صحت، عمدہ کتابت اور طباعت کے ساتھ پیش کیا جائے۔ یقیناً یہ کام بھی محض ترجمہ پیش کر دینے سے کسی طرح کم اہم نہیں ہے۔

حسنِ اتفاق سے راقم کی ملاقات حاجی محمد ارشد قریشی صاحب سے ہوگئی۔ جن کی نگرانی میں "المعارف" اور اسلامک بک فاؤنڈیشن، تصوف کی معیاری کتابیں

شائع کر رہے ہیں۔ موصوف نے اس رائے سے مکمل اتفاق کیا اور یہ تجویز بھی پیش کی کہ عربی متن کے ساتھ روز بہان بقلی (م ۶۰۶ھ) کی شرح فارسی کے متن کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے۔

اب طواسین کا اردو ترجمہ مع عربی متن و فارسی شرح پیش ہے۔ جہاں تک متن کا تعلق ہے ہم نے لوئی ماسنیوں کی مرتب کردہ کتاب الطواسین سے نقل کیا ہے۔ یہ کتاب فاضل محقق نے برٹش میوزیم نیز استامبول کے قلمی نسخوں کے علاوہ اور بہت سے مآخذ کی طرف رجوع کر کے پیرس میں ۱۹۱۳ء میں شائع کی۔ جس سے ان کی ژرف نگاہی کا پتہ چلتا ہے۔ موصوف نے قلمی نسخوں اور مختلف مسودوں کے اختلاف کو بھی جا بجا حواشی کے ذریعے ظاہر کیا ہے۔ ہم نے متن پیش کرتے وقت اس خوف سے کہ کتاب کی ضخامت بڑھ جائے گی۔ ان تمام حوالہ جات اور نسخوں کے اختلاف کو جو فرانسیسی محقق نے دیئے ہیں حذف کر دیا ہے۔ البتہ متن کو بعینہٖ اور بجنسہٖ نقل کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

جہاں تک اُردو ترجمہ کا تعلق ہے اس میں شگفتگی، روانی اور محاورۂ زبان کو جگہ دی گئی ہے لیکن متن کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ کر ایک آزاد ترجمہ نہیں کیا گیا۔ تاکہ قارئین کا رابطہ طواسین سے منقطع نہ ہو سکے۔

ترجمہ کرتے وقت پہلے عربی متن کو سامنے رکھا ہے۔ پھر فارسی شرح کا ترجمہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین کو مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ فارسی شرح بھی عربی ہی کی طرح دقیق اور پیچیدہ ہے اور دونوں عبارتیں ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ اس لیے جہاں کہیں نمایاں اختلافِ عبارت نظر آیا اس کا التزام سے الگ ترجمہ کیا ہے۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے کتاب سے پہلے حلاج کے حالات زندگی اور اس کے عقائد و نظریات پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ اور طواسین کا ایک سرسری جائزہ بھی لیا ہے۔ تاکہ اس کے بارے میں صحیح خیال قائم

قائم کیا جا سکے ۔ علاوہ ازیں چونکہ روزبہان بقلی اور لوئی ماسینیوں کا تذکرہ حلاج کے ضمن میں ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ اس لیے ان دونوں حضرات کے حالات اور علمی کارناموں پر مختصر تعارفی نوٹ بھی کتاب میں شامل کیے گئے ہیں ۔

کتاب کے آخر میں دائروں پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور اس دائرہ کو بھی درج کیا ہے جسے صوفیانہ نقطۂ نظر کے مطابق اسمائے الٰہی اور اسمائے کیانی کا دائرۂ عظیم کہتے ہیں ۔ نیز ایسے بعض الفاظ اور اصطلاحات کی بھی تشریح کی گئی ہے جو طواسین میں پائے جاتے ہیں اور موقع و محل کے لحاظ سے ضروری ہیں ۔

ایک کوشش یہ بھی نظر آئے گی کہ طواسین میں جہاں جہاں قرآنی حوالے ملتے ہیں ۔ ان کو ایک انڈکس (اشاریہ) کی صورت میں یکجا کر کے پیش کیا جائے ۔ یہ حوالے یا تو واضح اور براہ راست ہیں یا پھر طواسین کے متن سے متعلقہ آیات کا مفہوم ان سے متبادر ہوتا ہے ۔

اختتام پر یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ کوشش چونکہ تنہا میری ہے اس لیے اغلاط و اسقام کا پایا جانا ایک قدرتی امر ہوگا ۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ طواسین کی شرح و تنقید پر اردو میں بہت کم لٹریچر موجود ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے ۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ۔ کہ جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ خامی اور نقص سے پاک ہوگا اس لیے اہل علم اور بالخصوص اہل دِل حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ ہر لغزش اور غلطی سے درگزر فرما کر میری اصلاح کی کوشش فرمائیں کیونکہ میں علماً بھی اور عملاً بھی فی الواقع بے بضاعت ہوں اور مخلص حضرات کی دعاؤں کا محتاج ہوں ۔

عتیق الرحمان عثمانی

استاد شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج

اصغر مال راولپنڈی ،

۲۷ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ ، ۱۱ جون سنہ ۱۹۸۰ء

احوال و آثار ابن حلاجؒ

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اب سے تقریباً گیارہ سو سال پیشتر ایک بیباک اور حق گو انسان نے نعرۂ انا الحق بلند کیا۔ لوگوں نے اسے خدائی دعوے سے تعبیر کیا۔ بعض نے اس کی توجیہہ کی اور اس کو معذور سمجھا۔ ایک گروہ اس کا معتقد و مداح ہو گیا۔ بہرحال حقیقت کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ اس بے باک انسان کو بقائے دوام اور شہرت عام اسی نعرۂ حق کی وجہ سے نصیب ہوئی ہے۔ گو اس کے عام حالاتِ زندگی سامنے نہیں ہیں اور اس پر ردّ و قدح برابر جاری ہے پھر بھی اس کی مقبولیت اور شہرت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

تاریخ کی اس مظلوم شخصیت کو حسین بن منصور بیضاوی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی کنیت ابوالغیث، ابوالمغیث یا ابوعبداللہ بتائی گئی ہے۔ قدیم مؤرخین مثلاً ابن ندیم نے مولد و منشا میں اختلاف کیا ہے مگر جدید تحقیق کی رو سے آپ کا آبائی وطن اور مولد قریۂ طور ہے جو شیراز سے سات فرسنگ دور شہر بیضا کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ سال ولادت ۲۴۴ھ مطابق ۸۵۷ء تقریباً تمام تذکروں نے بغیر کسی اختلاف کے لکھا ہے۔ آپ کے والد منصور روئی کا کاروبار کرتے اور اسی واسطے حلاج (دھنیا، نداف) کے نام سے مشہور تھے۔ یہی نام آئندہ چل کر حسین بن منصور کے ساتھ لازم ملزوم ہو گیا۔

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حلاجی ان کے باپ کا نہیں بلکہ

ایک دوست کا پیشہ تھا۔ عربی میں حلّاج کے ایک تو معنی یہی ہیں جو اوپر بیان ہُوئے ہیں لیکن حَلَجَ کے دوسرے معنی بھی ہیں یعنی بادل کا چمکنا، بات کا سینہ میں کھٹکنا۔ اسی واسطے کہا جاتا ہے۔ اُحْتُلِجَ حَقَّہٗ یعنی اس نے حق کو لے لیا یا حق کو پا لیا۔ اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ حلاج کو آبائی پیشہ کی نسبت کی وجہ سے اس نام سے یاد کیا جاتا ہے یا حق طلبی اور حق گوئی کی بنا پر۔

حلاج کا ابھی بچپن ہی تھا کہ ان کے والد طلب معاش کی خاطر اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر شہر واسط میں آکر آباد ہو گئے جو ان دنوں پارچہ بافی کا مرکز تھا۔ یہیں حلاج کے بچپن کے شب و روز گزرے اور اسی کے ایک مدرسہ دار الحفاظ میں انہوں نے سولہ برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے اس کے بعد اپنے وقت کے مشہور عالم اور صوفی سہل بن عبداللہ تستری کی شاگردی اور مریدی اختیار کی۔ یہی بزرگ ان کے سب سے پہلے پیرِ طریقت ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس رہ کر حلاج نے عربی ادب اور دیگر علوم متداولہ میں دسترس بہم پہنچائی ہے۔ خاص طور پر تصوف کے ساتھ ان کو خاص لگاؤ ہو گیا۔ پھر وہاں سے بغیر اجازتِ پیر حسن بصری کے مدرسہ میں پہنچے اور وہاں پڑھنے لگے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی

بصرہ میں قیام کے دوران حلاج کا ربط ضبط بنی مجاشع کے ساتھ ہو گیا تھا۔ یہ لوگ سیاسی اعتبار سے زیدیہ زنج کی شورش سے تعلق رکھتے تھے اور حکومتِ وقت کی نظروں میں معتوب تھے۔ حلاج پر بھی اس سلسلہ میں بدگمانی کی گئی اور ان کو بعض شرپسندوں کا ہمنوا ٹھہرایا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ وہ بقول ابن ندیم اہل بیت کے حق میں لوگوں کی رائے ہموار کر رہے تھے۔ غالباً ان ہی اسباب کے پیش نظر حلاج کو بصرہ چھوڑنا پڑا۔ وہ بغداد عمرو بن عثمان مکی کے پاس پہنچے اور خرقۂ تصوف حاصل کیا۔ ان ہی دنوں میں ان کے تعلقات حضرت جنید بغدادی سے بھی استوار ہو گئے تھے۔ حلاج کا یہ دوران کی طبیعت کے ہیجان کا دور تھا۔ تصوف و فقہ کے بعض متنازعہ فیہ مسائل کو برملا بیان کرتے اور اپنی رائے کے اظہار میں کسی سے نہیں جھجکتے تھے۔ وہ رو رعایت، مصلحت اندیشی اور خوشامد کے بھی

قابل نہیں تھے۔

خرقہ تصوف زیب تن کرنے کے بعد حلاج نے اُمّ الحسین بنت ابو یعقوب اقطع بصری سے شادی کر لی تھی اور ساری عمر اسی عورت کے ساتھ نباہ دی۔ حلاج کے چار بچے پیدا ہوئے۔ تین لڑکے، سلیمان، منصور، احمد اور ایک لڑکی جو ہمیشہ اس کے وفادار رہے۔ مگر حلاج کی اس شادی سے ان کے پیر عمرو بن عثمان مکی خوش نہیں تھے کیونکہ ان کے اور حلاج کے خسر ابو یعقوب اقطع کے درمیان رنجش تھی۔ ان ہی دنوں میں حلاج کے معتقدوں اور مریدوں کی ایک اچھّی خاصی جماعت پیدا ہو گئی تھی جن کو لوگ سیاسی وجوہ کی بنا پر مشکوک نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

ان سیاسی اسباب اور بعض دوسرے امور کے پیش نظر بغداد میں حلاج کا قیام مشکل ہو گیا اور ۲۷۰ھ میں جبکہ ان کی عمر ۲۶ سال تھی وہ عازم مکہ ہوئے اور پہلا فریضہ حج ادا کیا۔ آپ مکہ میں دو تین برس مجاور بھی رہے۔ وہاں سے واپسی پر خوزستان میں قیام کیا اور صوفیانہ لباس ترک کر کے ایک عام آدمی کی حیثیت سے سلسلۂ تبلیغ شروع کر دیا جس کا مقصد یہ تھا کہ انسان اپنے ضمیر کو پاک صاف کر کے خود اپنے اندر ہی خدا کا جلوہ دیکھ سکتا ہے۔ مختلف علاقوں میں آپ کے ہمنوا اور معتقد پیدا ہو گئے مگر بعض لوگ آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر میدان میں نکل آئے جس کی وجہ سے آپ کو مشرقی ایران میں جا کر سکونت پذیر ہونا پڑا۔ وہاں پانچ برس تک (سنہ ۲۹۰ھ) اپنی تعلیمات کو پھیلانے میں مشغول رہے۔ اس کے بعد آپ دوبارہ تُستر آئے اور وہاں معتمد ریاست کی مدد سے اپنے خاندان کو بغداد لے گئے۔ سنہ ۲۹۱ھ میں حلاج نے اپنے مریدوں کے ساتھ دوسرا فریضہ حج ادا کیا۔ ان کے مریدوں کی تعداد میں اضافہ سے درباری سیاست کو تشویش لاحق ہوئی۔ آپ نے فریضۂ حج کے بعد ممالک اسلامیہ اور ہندوستان کی سیر و سیاحت کی اور ملتان کے راستہ کشمیر تک گئے اور وہاں سے دیوار چین تک پہنچے۔ اس سفر میں (سنہ ۲۹۳ھ) آپ نے دوسرے مذاہب کا بھی مطالعہ کیا اور بدھ مت، ہندو مت اور مانویت کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کیں۔

غالباً اس سے اگلے سال انہوں نے تیسرا حج ادا کیا۔ ان کی تبلیغ و اشاعت کی سرگرمیاں اب عام تھیں اور ہر طرف ان کے طرف دار پیدا ہو چکے تھے۔ دربار خلافت کے بعض وُزرار جن میں شیعہ عالم شلمغانی اور ابو سہل نوبختی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حلاج کے اس بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو اپنے لیے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ حامد بن عباس جو وزیر اعظم کے عہدے پر فائز تھا۔ اس نے خلیفہ مقتدر باللہ کو یہ مشورہ دیا کہ حلاج کو قتل کرا دینا چاہئیے کیونکہ اس کا وجود حکومت کے لیے ایک خطرہ ہے۔

۲۹۷ھ میں انھیں سب سے پہلے ابن داؤد اصفہانی الظاہری کے فتویٰ پر گرفتار کیا گیا مگر ٹھیک ایک برس کے بعد ۲۹۸ھ میں وہ قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور علاقہ سوس میں خفیہ طور پر رہنے لگے اس سے حکومت کے حلقہ کو اور بھی تشویش ہوئی۔ اور بدخواہوں کو ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا اچھا موقع مل گیا لیکن وزیر اعلیٰ ابن عیسیٰ کی کوششوں سے ان کا معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

۳۰۱ھ میں دباس نامی غلام کی مخبری پر حلّاج کی گرفتاری دوبارہ عمل میں آئی اور مسلسل آٹھ برس تک جیل میں رکھا گیا۔ اس طرح کہ انہیں بغداد کی مختلف جیلوں میں منتقل کر دیا جاتا تاکہ وہ فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اگرچہ جیل کے ایام میں حلّاج نے خلیفہ وقت کی بیماری کا کامیاب علاج بھی کیا اور اپنے وعظ و ارشاد سے بہت سے جیل کے آدمیوں کو ہمنوا بھی بنا لیا لیکن پھر بھی ان کی مشکلات ختم نہ ہوئیں۔ ۳۰۷ھ میں حامد بن عباس کے اصرار پر مقدمہ دوبارہ شروع ہوا اور ۳۰۸ھ میں باقاعدہ کارروائی کے بعد ان کے خلاف ملحد دہریہ ہونے کے سلسلہ میں شرعی شہادتیں طلب کی گئیں۔ لوئی ماسنیوں کی تحقیق کے مطابق دربار خلافت کے وزیر اعظم نے تقریباً ۸۴ شہادتیں جمع کر لیں۔ جن میں سے اکثر علمائے ظواہر کی تھیں۔ ان شہادتوں اور فتووں کے پس پردہ کئی اغراض و مقاصد بھی تھے حنابلہ کی بڑی تعداد نے اس مقدّمے کی مخالفت اور کئی آدمی حلاج کی طرف داری کے جرم میں قتل کیے گئے۔

جہاں تک حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کا تعلق ہے اس کے بارے

میں خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف فصل الخطاب میں تحریر فرمایا ہے کہ سید الطائفہ کی طرف فتویٰ کو منسوب کرنا سراسر بے بنیاد ہے کیونکہ آپ کی وفات شہادتِ حلاج سے کم و بیش دس بارہ برس پہلے ہو چکی تھی۔ نکلسن اور بعض محققین نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا ہے۔

آخر کار پورے ایک برس کے محاکمہ کے بعد ۲۴ ذیقعد ۳۰۹ھ مطابق ۲۷ مارچ ۹۲۲ء کو سلطان العشق حسین بن منصور الحلاج کو دار کی طرف لا گیا جو نہایت خوشی خوشی دار پر جا پہنچے ان پر پتھر برسائے گئے۔ اس کے بعد نہایت سنگدلی اور بے دردی سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے، جسم کا مثلہ کیا گیا اور سر کو تن سے جدا کر کے جلایا گیا اور خاکستر کو دریائے دجلہ میں بہا دیا گیا۔ اس جگر خراش منظر پر دوست دشمن سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ تذکرۃ الاولیاء اور بعض دوسری کتب میں ہے کہ حلاج کے جسم بریدہ کے ہر عضو سے آواز انا الحق آتی تھی اور ان کے خون کا ہر قطرہ "اللہ" اور انا الحق کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔

آپ کے اس طرح جان دینے کے واقعہ میں سب سے اہم بات جو اکثر تذکروں نے نقل کی ہے وہ آپ کی ثابت قدمی، بے خوفی اور سکونِ قلب ہے۔ آپ پر اضطرار اور بے چینی کی کوئی کیفیت طاری نہیں ہوئی۔ آپ نے دوستوں سے زیادہ دشمنوں کو بھی دعائیں دی ہیں۔ یا اللہ! یہ لوگ معذور ہیں۔ حقیقت کو نہیں پہچانتے ہیں۔ اس لیے ان سے درگزر فرما۔ یا اللہ! یہ جو کچھ کر رہے ہیں شریعت کے ظاہری احکام کے مطابق کر رہے ہیں اس لیے ان پر اپنا فضل کر۔

حلاج کی وفات کے بعد آپ کے معتقدوں اور بہی خواہوں کا بھی یہی انجام ہوا۔ ان سب کو چُن چُن کر ختم کر دیا گیا۔

عام اخلاق و عادات

حلاج ایک باغیرت اور جرأت مند انسان تھے۔ ان کے پہلو میں ایک دردمند دل تھا۔ انہوں نے ایک بے باک طبیعت پائی تھی۔ جو بات دل میں آتی اسے چھپاتے

نہیں تھے بلکہ برملا سب کے سامنے کہہ دیتے تھے۔ رو رعایت اور رواداری کے قائل نہیں تھے اور مسلک میں لچک بھی نہیں رکھتے تھے۔ حکام اور سلاطین کے سامنے ڈٹ جاتے تھے مگر مخلص اور بے لوث تھے۔

حلاج مسلک کے لحاظ سے سُنی تھے، روزے نماز کے سختی سے پابند تھے انہوں نے اپنی زندگی میں تین بار فریضہ حج ادا کیا۔ ذکر و اشغال اور مناجاۃ بکثرت کرتے تھے۔ ان کا مسلک صلح کل تھا۔ وہ دوست دشمن کسی کی بھی حوصلہ شکنی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ اُن کٹر دشمنوں کے حق میں بھی وہ ہمیشہ دعا کرتے تھے جو ان کی المناک موت کا سبب بنے۔

وہ سیر و سیاحت کے زبردست دلدادہ تھے چنانچہ انہوں نے متعدد ممالک کی سیر کی جن میں برصغیر پاک و ہند بھی شامل ہے۔ اسی سیر و سیاحت کی بدولت انہیں مختلف قوموں کے عقائد و نظریات کے مطالعہ کا موقع ملا اور ان میں ایک سماجی انقلاب لانے کا جذبہ بیدار ہوا۔ وہ ایک مصلح کی حیثیت سے یہ چاہتے تھے کہ عوام میں خودی اور عزت نفس کا احساس اور شعور اجاگر ہو جائے تاکہ وہ اپنی انفرادیت اور شخصیت کو برقرار رکھ سکیں اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حلاج ایک ایسے ایرانی عالم، صوفی، متکلم اور سیاح تھے جنہوں نے عرب و عجم کو ایک حیات نو بخشی ہے۔

تصانیف

حلاج کی تمام تصانیف عربی میں ہیں جن کی تعداد بقول ابن ندیم ۴۶ ہے۔ ان کے اشعار کا ایک دیوان بھی ہے وہ بھی عربی زبان میں ہے۔ فارسی زبان کا جو دیوان ان سے منسوب کیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے۔ وہ رضا قلی ہدایت کی تحقیق کے مطابق صوفی حسین بن حسین خوارزمی (متوفی ۸۴۵ھ) کا مجموعہ کلام ہے۔

آپ کی تصانیف میں سے اکثر و بیشتر کا موضوع تصوف و الہیات اور علم کلام و فلسفہ ہے۔ البتہ بعض تصانیف سے وقت کی سیاست اور سلاطین و امراء کے احوال پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ان کی تصانیف کی یہ فہرست جو بقید و ترتیب حروف تہجی درج

ذیل کی جا رہی ہے، سویرا، لاہور خاص شمارہ (مئی ۱۹۷۶ء) سے اخذ کی گئی ہے۔ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ قدیم زمانے میں کتاب کو رسالہ کہتے تھے۔ ان کتابوں کا مطلب وہ چھوٹے بڑے رسائل ہیں جو وقتاً فوقتاً حلاج نے لکھے ہیں۔ ان میں سے کئی رسالے ایسے بھی ہیں جو قید و بند کے ایام میں لکھے گئے ہیں۔ ان ہی میں طاسین الازل و الالتباس بھی ہے جو ابن عطا کو ۳۰۹ھ میں ملی ہے۔

فہرست تصانیف

(۱) کتاب الابد والمأبود (۲) کتاب الاحرف المحدثه والازلیه والاسماء الکلیة (۳) کتاب الاصول والفروع (۴) کتاب الامثال والابواب (۵) کتاب تفسیر قل هو الله احد (۶) کتاب التوحید (۷) کتاب حمل النور والحیواة والارواح۔ (۸) کتاب خزائن الخیرات (۹) کتاب خلق خلائق القرآن والاعتبار (۱۰) کتاب خلق الانسان والبیان (۱۱) کتاب الدرة الی نصر القشوری (۱۲) کتاب الذاریات ذرواً (۱۳) کتاب سر العالم والمبعوث (۱۴) کتاب السمری وجوابه (۱۵) کتاب السیاسه الی الحسین بن حمدان (۱۶) کتاب السیاسة والخلفاء والامراء (۱۷) کتاب شخص الظلمات (۱۸) کتاب الصدق والاخلاص (۱۹) کتاب الصلوٰة والصلوات (۲۰) کتاب الصیهون (۲۱) کتاب طاسین الازل والجوهر الاکبر والشجرة الزیتونیة النوریة (۲۲) کتاب ظل الممدود والماء المسکوب والحیواة الباقیة (۲۳) کتاب العدل والتوحید (۲۴) کتاب علم البقاء والفناء (۲۵) کتاب الغریب الفصیح (۲۶) کتاب فی ان الذی فرض علیك القرآن لرآدك الیٰ معاد (۲۷) کتاب قرآن قرآن والفرقان (۲۸) کتاب القیامة والقیامات (۲۹) کتاب الکبر والعظمة (۳۰) کتاب کبریت الاحمر۔ (۳۱) کتاب کید الشیطان وامر السلطان (۳۲) کتاب کیف کان وکیف یکون (۳۳) کتاب کیفیة بالمجاز (۳۴) کتاب الکیفیة والحقیقه (۳۵) کتاب لا کیف (۳۶) کتاب المتجلیات (۳۷) کتاب مدح النبی والمثل الاعلی (۳۸) کتاب موابید العارفین۔

(۳۹) کتاب والنجم اذا ھوٰی (۴۰) کتاب نور النور (۴۱) کتاب الوجود الاول (۴۲) کتاب الوجود الثانی (۴۳) کتاب ھوھو (۴۴) کتاب الھیاکل والعالم والعالِم (۴۵) کتاب الیقظہ و بدو الخلق (۴۶) کتاب الیقین۔

ان میں ۵، ۱۲، ۲۲، ۲۶، ۲۸، اور ۳۹ نمبر پر کتابوں کے نام قرآن شریف کی آیات سے لیے گئے ہیں۔

حلاج کی عالمانہ حیثیت اور ادبی مقام

حلاج کی شہرت ایک عظیم صوفی اور شہید عشق کی حیثیت سے ہوئی۔ اس کے عہد میں جن علوم و فنون کا دور دورہ تھا۔ ان میں علم حدیث، فقہ، تفسیر، ادبیات، تاریخ، تصوف اور علم کلام و فلسفہ کو ہم پیش کر سکتے ہیں۔ تفسیر و حدیث اور فقہ میں حلاج کا مرتبہ بلند نہیں تھا۔ مگر ادبیات، تصوف اور علم کلام اور فلسفہ میں بڑی عمیق نظر رکھتا تھا۔ ان علوم کو اس نے کن حضرات سے حاصل کیا، اس سلسلہ میں ہمیں سہل تستری، عمرو بن عثمان مکی کے نام ملتے ہیں مگر یہ سب حضرات تصوف کے میدان کے مرد ہیں۔ ادبیات اور کلام و فلسفہ میں چنداں شہرت نہیں رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حلاج نے اپنے ذاتی مطالعہ سے علوم متداولہ میں دسترس بہم پہنچائی تھی۔

ابن ندیم کا یہ قول کہ وہ تمام علوم میں بالکل کورا تھا درست نہیں ہے۔ عربی زبان اور ادب کے ساتھ اس کو گہرا لگاؤ تھا۔ خاص طور پر قرآن شریف کے ساتھ گہرا لگاؤ رکھتا تھا جس کو اس نے بچپن ہی میں حفظ کر لیا تھا چنانچہ قرآن شریف کے حوالے اکثر اس کی تحریرات میں ملتے ہیں۔ وہ اگرچہ ایک مفسر اور محدث نہیں تھا مگر بلند پایہ ادیب ضرور تھا اور شاعری میں فاضلانہ کمال رکھتا تھا۔

طواسین کا اسلوبِ تحریر

اس زمانہ کی طرز نگارش عام طور پر اسلوب قرآنی سے بہت متاثر تھی اور وہی ادیب

باکمال خیال کیا جاتا تھا جو اپنی تحریرات میں اس سلوب کا رنگ اتار سکے۔ طواسین میں ہمیں اس تقلید و تتبع کی نمایاں مثال ملتی ہے۔ قرآن مجید کے فقرے، اس کے الفاظ اور قرآنی تراکیب ہم جا بجا دیکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کتاب کی نثر سادہ نہیں ہے بلکہ پر تکلف ہے اس میں وزن، قافیہ اور سجع سب کچھ موجود ہے۔ صنائع لفظی و معنوی بھی قدم قدم پر موجود ہیں۔ یہی وہ اسلوب ہے جو اپنے زمانے میں بڑے بڑے ادیبوں نے اپنایا ہوا تھا۔ بدیع الزمان ہمدانی، حریری، عبداللہ شیرازی، وصاف اور ابوالفضل بن مبارک جیسی باکمال ہستیاں اسی طرز نگارش کی وجہ سے شہرتِ دوام کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان حضرات کے قلم کی شوکت بادشاہوں کے دبدبے سے کم نہیں تھی۔ طواسین کا اسلوب بھی یہی نگارش ہے ہمیں حلاج کی تحریر میں رعب، شان و شکوہ اور فن کاری پورے اہتمام و انتظام سے ملتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس باکمال ادیب نے بڑی محنت سے عبارت بافی کی ہے کہ اگر کہیں ایک لفظ بھی اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے تو عبارت کا سارا تانا بانا بکھر کر رہ جاتا ہے۔ فقروں کی بندش، تراکیب کی چستی اور تحریر کی سج دھج طواسین کے نمایاں اوصاف ہیں۔ مثلاً

وَاَنکَرَ حالی، حین لم یرانی، وبالزندقة سمّانی۔ وبالسُّوءِ رَمانی

یہ بات کہ علم و کمال اور اسم و رسم ذات باری تعالیٰ کے لیے حجابات ہیں اس طرح بیان کی ہے۔ "سبحان من حَجبهم بالاسم والرسم والوسم۔ حجبهم بالقال و الحال والکمال والجمال۔

حلاج کی تحریر میں ایک جوش، ولولہ اور روانی پائی جاتی ہے جو اس کے باکمال ادیب ہونے پر شاہد عادل ہے مگر بعض حضرات نے اس طرز تحریر پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اس کو لفاظی اور لغت بازی سے تعبیر کیا ہے۔ مگر یہ اعتراض درست نہیں ہے محض لفاظی اور لغت بازی طبیعتوں پر جادو کا اثر نہیں کر سکتی کیونکہ اس کے پس پردہ زبردست صناعی اور کاریگری کارفرما ہوتی ہے۔ اسی لیے پڑھنے والوں کے دل و دماغ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ ادیب کا ایک ہنر ہے ورنہ لفظوں کے ڈھیر کون جمع نہیں کر

سکتا۔ رہا یہ کہ طواسین کے بعض مقامات پیچیدہ اور مُغلق ہیں سو اس کی وجوہ یہ ہیں کہ حلاج کا موضوعِ تصوف تمام موضوعات میں ادق ہے۔ اور ہر موضوع اپنے اندر اصطلاحات کا ایک فرہنگ رکھتا ہے۔ اس میں طب، جغرافیہ، ہیئت، فلسفہ، فقہ، تفسیر اور حدیث وغیرہ سب شامل ہیں۔ تصوف کا موضوع چونکہ الٰہیات اور ماورا طبیعات کے مسائل ہیں۔ اس لیے اس کے الفاظ اور اصطلاحات بھی بڑی غامض اور دقیق ہیں اور ایک اندازے کے مطابق تمام علوم کے مقابلہ میں اس کی اصطلاحات سب سے زیادہ ہیں۔ اس لیے اصطلاحات کی کثرت اور مضمون کی دقت اس کو مشکل بنا دیتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ عبارت جس کو آج ہم طویل، دقیق اور پیچیدہ کہتے ہیں اور درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے کیا حلاج کے دور میں بھی ایسا ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ اس زمانے میں یہ بہت بڑا ہنر تھا جو آدمی ادب ولغت پر حادی نہ ہو اور طرز تحریر کے مختلف طرق و سُبل سے کماحقہ، واقف نہ ہو اس کو عالم نہیں گردانتے تھے۔ ایک تیسری وجہ یہ بھی بن سکتی ہے کہ طواسین کو لکھے ہوئے گیارہ صدیاں بیت چکی ہیں۔ ان گیارہ صدیوں میں اس کے متن پر کیا گزری یہ بھی ایک طویل داستان ہے۔ چنانچہ بعض الفاظ پڑھے نہیں گئے۔ بعض کے سامنے سوالیہ؟ نشان ہے بعض کچھ کے کچھ ہو گئے اور بعض جگہ نسخوں اور مسودوں کا اختلاف صحیح مفہوم متعین کرنے میں زبردست رکاوٹ ہے۔

ان ساری باتوں کے باوجود اگر کسی کتاب میں، چاہے وہ طواسین ہو یا کوئی اور، کچھ مقامات پیچیدہ بھی پائے جائیں تب بھی کسی ادیب یا شاعر کی پوری کوشش کو نظر انداز کرنا سراسر ناانصافی ہے

طواسین میں بلاشبہ بعض مقامات عقدہ لاینحل کا درجہ رکھتے ہیں اور جب تک طواسین قائم ہے۔ یہ بدستور باقی رہیں گے مگر پھر بھی کتاب بہت سے محاسن کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔

طواسین اور دعویٰ انا الحق

اس جگہ ہم صرف طواسین کے متن کو سامنے رکھ کر حلاج کے دعویٰ "انا الحق" پر گفتگو کر رہے ہیں اور چونکہ دوسری تصانیف ہمارے زیر مطالعہ نہیں ہیں۔ اس لیے ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ طواسین میں صرف دو مقامات ایسے ہیں جہاں انا الحق کا مفہوم ملتا ہے لیکن جس طرح عام تاثر پایا جاتا ہے وہ بات صحیح نہیں ہے۔

پہلی مرتبہ میرے باب صفا کی دفعہ ۶ اور ۷ میں ہے۔ "کوہِ طور پر درخت کی جانب سے جو آواز (موسیٰ علیہ السلام نے) سُنی وہ درخت سے نہیں بلکہ حق تعالیٰ سے سُنی۔ میری مثال بھی اسی درخت کی طرح ہے۔ یہ کلام بھی اسی کا ہے" میرا نہیں ہے (یعنی جو کچھ مَیں کہتا ہوں وہ میری طرف سے نہیں ہوتا بلکہ اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ کیا اس سے خدائی کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے؟ اس سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حلاج کی مثال ایک درخت سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کا تمام خدائی صفات سے متصف ہونا کہاں پایا جاتا ہے۔ اس کو ہم زیادہ سے زیادہ ایک وجدانی اور غلبہ حال کی کیفیت سے تعبیر کر سکتے ہیں جب درخت خدا نہیں بن سکا تو حلاج کیسے بن سکتا ہے بلاشبہ اس کی تجلی کا مرکز دونوں ٹھہر سکتے ہیں۔ حلاج کہتا ہے کہ میرے بول کو اسی کی طرف منسوب کرو جس طرح درخت کی آواز کو منسوب کیا تھا۔ ان الفاظ کو کسی طرح دعویٰ خدائی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب، مرید و خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

یہ نغمہ دلکشا مرا بے ساز نہیں ہے\
وہ بول رہے ہیں مری آواز نہیں ہے

نظیری نیشاپوری کہتا ہے ؎

تو مپندار کہ ایں قصہ ز خود می گویم\
گوش نزدیک لبم آر، کہ آوازے ہست

یہ خیال مت کر یہ داستان میں از خود بیان کر رہا ہوں۔ میرے ہونٹوں سے کان لگا کر اس پردے میں کسی اور کی آواز ہے۔ دوسری جگہ چھٹے باب یعنی طاسین الازل والالتباس کی ۲۰ تا نہایت ۲۵ دفعات میں "انا الحق" کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان دفعات میں حلاج نے اپنے اور ابلیس و فرعون کے درمیان ہونے والے مناظرے کو قلم بند کیا ہے یہ مناظرہ فتوت یعنی جوانمردی اور ثابت قدمی کے بارے میں ہے۔ ابلیس کہتا ہے کہ "اگر میں آدم کو سجدہ کر دیتا تو لفظ فتوت کا اطلاق ہرگز مجھ پر نہ ہوتا" فرعون کہتا ہے کہ "اگر میں اس کے رسول پر ایمان لے آتا تو میں فتوت کے رتبہ سے گر پڑتا" اس پر حلاج کہتا ہے کہ "اگر میں اپنے دعوے اور قول سے باز آجاؤں تو میں مقام فتوت سے دور جا پڑوں گا" ابلیس نے اس لیے انا خیر منہ کہا کہ وہ مقام لاغیر سے باہر نہیں آسکا۔ فرعون نے اس وقت ما علمت لکم من الٰہ غیری (اپنے علاوہ میں تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا ہوں) کہا جب اس نے دیکھا کہ اس کی قوم میں کوئی بھی حق و باطل میں تمیز کرنے والا شخص باقی نہیں ہے۔ اس پر حلاج کہتا ہے کہ "میں نے کہا کہ اگر تم اس کو نہیں پہچانتے ہو تو اس کے اثر اور نشان ہی کو پہچان لو اور وہ اثر اور نشان میں ہوں۔ اور میں حق ہوں (انا الحق) اس لیے کہ میں ہمیشہ فی الواقع (درحقیقت) حق کے ساتھ رہا ہوں"۔

اس بیان میں بھی دو باتیں غور طلب ہیں۔ ایک حلاج نے اپنے آپ کو حق کا اثر یعنی پرتو، عکس اور مظہر کہا ہے۔ دوسری بات یہ کہی ہے کہ میں ہمیشہ فی الواقع (درحقیقت) حق کے ساتھ رہا ہوں۔ ان دونوں باتوں سے بھی خدائی کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ حق کا پرتو ہونا خدا ہونا نہیں ہے۔ اسی طرح حق کے ساتھ ہونا بھی خدائی کے دعویٰ میں شامل نہیں ہے۔ اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ حق تک رسائی مشکل بلکہ محال ہے تم صرف اس کے پرتو، اثر، تجلی اور عکس کا ہی مشاہدہ کر سکتے ہو چونکہ اس کو حق سے نسبت و

وابستگی حاصل ہے۔ اس لیے اس تجلی اور اثر کو بھی حق ہی سمجھو۔ اس کے پرتو اور اثر ہونے کی نسبت سے حلاج نے اپنے آپ کو حق کہا ہے۔ کیا مذکورہ بالا عبارت سے یہ مطلب کسی طرح نکالا جا سکتا ہے کہ حلاج نے اپنے آپ کو خدا کہا ہے۔ ہمارے خیال میں ہرگز یہ مطلب نہیں نکلتا۔ مولانا اصغر گونڈی سے

بس اتنے پر ہوا ہنگامہ دار و رسن برپا
کہ لے آغوش میں کیوں آئنہ مہر درخشاں کو

اگر آئنہ مہر درخشاں کو آغوش میں لے بھی لے تب بھی آئنہ اپنی جگہ آئنہ ہی رہے گا اور مہر درخشاں کی حیثیت مہر درخشاں ہی کی رہے گی۔ یہی معاملہ بالکل اوپر کی عبارت میں ہے۔

جہاں تک طواسین کا تعلق ہے اس میں صرف دو مقام ہیں۔ باقی کسی جگہ ایسا مضمون نہیں ہے چونکہ حلاج کی اور بھی تصنیفات ہیں۔ ممکن ہے کسی جگہ کوئی قابل اعتراض بات پائی جاتی ہو مگر ہمیں ان سے سردست کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ وہ ہمارے زیر مطالعہ نہیں ہیں۔

حلاج کے عقائد و نظریات

حلاج مذہباً سُنّی تھے۔ ان کے زمانے میں فقہ حنبلی و شافعی کو زیادہ رواج تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ائمہ اربعہ میں سے وہ کس مسلک کی طرف زیادہ رجحان رکھتے تھے البتہ ایسی شہادتیں ملتی ہیں کہ جب وہ دربار خلافت کے معتوب تھے تو حنابلہ نے ان کی طرفداری کی تھی۔ ابن ندیم کا یہ کہنا قرین قیاس نہیں لگتا کہ وہ اگرچہ بظاہر سُنّی تھے لیکن درپردہ شیعہ تھے ابن الفرات اور شلمغانی جو شیعہ تھے وہی حلاج کے قتل و صلب کے اصلی ذمہ دار ہیں۔ خلیفہ وقت اور اس کی والدہ آخری وقت تک یہ کوشش کرتے رہے کہ حلاج کو گزند نہ پہنچے مگر دربار کے بااثر غالیوں نے ایسا جال پھیلایا کہ حلاج بچ نہ سکے۔

بعض حضرات نے حلاج کو حلول اور تناسخ کے عقیدہ کا حامل گردانا ہے لیکن یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ ان کی تحریرات میں بکثرت یہ بات ملتی ہے کہ حق تعالیٰ ذات

وصفات میں منزہ ہے۔ اس تک کسی چیز کی رسائی نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس کی مانند ہے۔ طواسین کے دو باب یعنی طاسین التنزیہ اور بستان المعرفہ اس پر شاہد ہیں۔ البتہ وہ وحدت الوجود کے ضرور قائل تھے۔ وحدت الوجود کا مسئلہ، حلول اور تناسخ کے عقیدے سے بالکل جدا ہے۔ اس لیے حلاج کی تحریرات کا مطالعہ اسی نظریہ "ہمہ اوست" کے پیش نظر کرنا چاہیئے۔

وحدت الوجود کا مسئلہ وحدت ادیان کی جانب لے جاتا ہے۔ حلاج کی تصنیفات میں اس طرف جا بجا اشارات ملتے ہیں مگر یہاں یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام شریعتوں کا منسوخ کرنے والا، ساری دنیا کا رہنما اور تمام داناؤں اور پیشواؤں کا مخدوم و مطاع تسلیم کرتے ہیں۔ وحدت کی یہی صورت ہے جو ان کے نزدیک قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔

قصۂ دار ورسن

طواسین کے اقتباسات سے جو ہم نے اوپر پیش کیے ہیں۔ 'انا الحق' کے دعوے کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اگر حلاج کی تحریرات میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ملتا تو پھر بلاشبہ وہ تاریخ کی ایک مظلوم ہستی ہے۔ ان کو اس بیدردی اور سفاکی سے قتل کرنا یقیناً ایک بڑی ناانصافی ہے۔ حلاج کے اس نعرہ انا الحق کی حقیقت بزرگان تصوف کے ان نعروں کے سامنے کیا رہ جاتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامی کی شطحیات مشہور ہیں جو تقریباً تمام تذکروں نے نقل کی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں، عرش میں ہوں۔ کرسی میں ہوں، لوح میں ہوں، قلم میں ہوں، جبریل، میکائیل اور اسرافیل میں ہی ہوں پھر آپ نے فرمایا جو شخص حق تعالیٰ میں محو ہو جاتا ہے وہ حق بن جاتا ہے۔ کیا حلاج نے اس سے زیادہ کچھ کہا ہے؟ اور ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا شمار سرکردہ صوفیاء میں ہوتا ہے، آپ فرماتے ہیں لیس فِی جُبَّتِی سوی اللہ" یعنی یہ جبہ جو میں نے پہنا ہوا ہے اس میں بھی اللہ کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہے۔ کیا اس میں 'انا اللہ' کا دعویٰ

نہیں پوشیدہ ہے ؟ اسی طرح ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ اگر دوزخ باوجود اس قدر آگ رکھنے کے میرے بدن کا ایک بال بھی جلا دے تو میرے مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیا یہ شرعاً قابل گرفت نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حلاج کے ساتھ قتل وصلب کا وہ بہیمانہ سلوک روا رکھا گیا جس کے پڑھنے سے رونگٹے لرز اٹھتے ہیں۔ اگر تصوف میں شطحیات قابل مواخذہ نہیں ہیں اور یقیناً قابل مواخذہ نہیں ہیں تو حلاج کو اس فہرست سے کیوں نکال دیا گیا۔ ؟

اس کی واضح وجہ یہ ہے کہ حکومت وقت سے حلاج کی زندگی بحران بن رہی ہے۔ اور وہ شروع ہی سے دربار خلافت کا معتوب رہا ہے۔

ابن ندیم نے اگرچہ چند جملے لکھے ہیں لیکن ان ہی کے پڑھنے سے حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔

" وہ (حلاّج) سلاطین و امرا کے مقابلے میں ڈٹ جاتا تھا۔ بڑا جسور و جری تھا۔ بڑی بڑی سازشوں کا مرتکب ہوا۔ وہ حکومتوں میں انقلاب برپا کرنے کا خواہش مند رہتا تھا۔"

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ حلاج کے خیالات کیا تھے اور وہ اپنے زمانے میں کیا کرنا چاہتا تھا۔

لوئی ماسنیوں نے تحقیق کی ہے کہ حلاج نے ازدواجی زندگی کے بعد بصرہ کے ایک محلہ تمیم میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ یہ محلہ بنی مجاشع کا گڑھ تھا جو سیاسی اعتبار سے زیدیہ زنج کی شورش سے تعلق رکھتے تھے۔ حلاّج کے ان سے گہرے روابط تھے۔ یہ لوگ حکومت میں انقلاب لانا چاہتے تھے۔ حلاج کی پہلی گرفتاری ان ہی اسباب کے ماتحت عمل میں آئی تھی۔ حلاج کی نوجوانی کا یہ زمانہ تھا (۲۰ سے ۲۵ سال تک کی عمر) اس کے بعد سے تادمِ مرگ (۶۵ سال کی عمر تک) وہ ہر قسم کی تکالیف و آلام برداشت کرتا رہا۔

مذکورہ بالا بیانات کے پیش نظر کیا کوئی حکومت شخصی ہو یا غیر شخصی کسی ایسے آدمی کو برداشت کرسکتی ہے جو اس کے وجود کے لیے خطرہ ہو، جو انقلاب کا داعی ہو اور عوام الناس کو اس کے خلاف ابھارتا ہو۔ ہمارے نزدیک حلاج کے قتل وصلب کی اصل وجہ یہی ہے۔

حامد نے جو خلیفہ مقتدر باللہ کا وزیر اعظم تھا یہ مشورہ دیا تھا کہ حضور حلاج کو قتل کرا دیجئے کیونکہ اس کا وجود سلطنت کے لیے خطرہ ہے۔ مقتدر باللہ کے عہد حکومت میں خلافت عباسی کی کشتی ہچکولے کھا رہی تھی۔ مرکز مضمحل تھا۔ خلیفہ بے بس تھا۔ خزانہ کم و بیش خالی تھا۔ عوام میں یکجہتی نہیں تھی۔ دربار سازشوں کا شکار تھا۔ ان حالات میں ممکن ہے کہ بعض پارٹیاں یا بعض انقلابی شخصیتیں تغیر و تبدل چاہتی ہوں۔ ایسے حضرات جن کے مفاد پر زد پڑتی ہو وہ کیوں انقلاب کو پسند کرتے۔ یہی لوگ تھے جو دربار خلافت پر چھائے ہوئے تھے اور ان ہی لوگوں نے حلاج کو راستہ سے ہٹا کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔ ایک بات اور بھی یہاں محل غور ہے اور وہ یہ کہ اگر حلاج واقعتاً شرعی مجرم تھا تو اس پر حد شرع اسی طرح جاری کرنی چاہیئے تھی۔ جس طرح اسے مقتول و مصلوب کیا گیا۔ اس ظالمانہ اور سفاکانہ طرز عمل میں ذاتی انتقام کا شدید جذبہ کارفرما ہے۔ پھر حلاج کو تو اس لیے سزا ملی کہ اس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا مگر اس کی جماعت اور تحریک کے آدمیوں کو چن چن کر قتل کیا گیا آخر کیوں؟ ان کا جرم کیا تھا؟ کیا وہ سب خدا ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ وہ حکومت وقت کے مخالف یا باغی تھے۔ ہو سکتا ہے کہ حلاج کا بھی یہی قصور ہو مگر انا الحق کے دعوے کو آڑ بنا لیا ہو۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ قصۂ دار و رسن کو روایتی دعویٰ انا الحق کے دائرے سے نکل کر تاریخی اور اس وقت کے سیاسی پس منظر میں پڑھنا اور پرکھنا چاہیئے اور کھوج لگانا چاہیئے کہ اس وقت کے سیاسی حالات کیا تھے۔ کون کون سی جماعتیں آپس میں رقیب تھیں۔ وہ کون سی شخصیتیں تھیں جو عوام میں شعور پیدا کر کے انقلاب لانا چاہتی تھیں کیا انقلاب کے لیے حالات سازگار تھے۔ حلاج کی تحریک کے ناکامی کے اسباب کیا تھے۔ حلاج کی خود تحریک کیا تھی۔ اس کا کیا نصب العین اور پروگرام تھا۔ ان سوالات کا جواب اہل تحقیق کے ذمہ ہے۔

کتاب الطواسین پر ایک سرسری نظر

اس کتاب کا محوری نقطہ نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، آپ کی معراج کا واقعہ اور حقیقت نور محمدیہ ہے۔ اس کے حسب ذیل گیارہ باب ہیں جن کو حلاج نے طواسین (یعنی اسرار و رموز) کے نام سے موسوم کیا ہے۔

نمبر ۱ طاسین السراج ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اول ما خلق اللہ نوری کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ نور محمدی ازلی ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ ہم نے آپ کو سراج منیر بنا کر بھیجا ہے (۳۳ : ۴۶) اس طاسین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حلاج کو آپؐ سے بے پناہ محبت ہے، وہ فرطِ شوق میں عقیدت کے پھول دربارِ رسالت میں نچھاور کرتا ہے۔ آپ نورِ مجسم اور نور کامل ہیں۔ آپ کے نور کے سامنے تمام روشنیاں ماند ہیں۔ آپ اس کائنات کے لیے ایک ایسا جگمگاتا چراغ ہیں جس کے پرتو سے ذرہ ذرہ چمک اٹھتا ہے۔ آپ کی ذات تمام صفات حسنہ کی جامع ہے آپ کا وجود عدم سے پہلے اور آپ کا اسم قلم سے پہلے ہے۔ آپ اپنی ذات میں یکتا اور اپنے اوصاف میں منفرد ہیں۔ آپؐ کی لائی ہوئی کتاب اور آپ کا دائمی پیغام تمام دانائیوں اور حکمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس طاسین کی ۱۷ دفعات ہیں جن میں حلاج نے آپؐ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

دوسرا باب طاسین الفہم کے عنوان سے قائم کیا ہے جس کی ۸ دفعات ہیں یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ حقائق کا ادراک کرنا مخلوق کے بس کی بات نہیں۔ پروانہ شمع کی ذات میں گم ہو جاتا ہے اور اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے۔ اس پر کیا گزرتی ہے؟

اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ پس شمع حق کے جان نثاروں کی کیفیت کا صحیح اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ مشاہدہ تجلی ذات کے اس اعلیٰ مقام پر سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی شخص فائز نہیں ہو سکا۔

تیسرا باب **طاسین الصفا** کے نام سے موسوم ہے اور ۱۲ دفعات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال سامنے رکھ کر ایک عارف کو یہ تلقین کی ہے کہ جس طرح انہوں نے چالیس دن کا ایک چلہ کیا ہے اور پھر خدا سے ہمکلام ہوئے ہیں۔ اسی طرح ایک سالک کو بھی چالیس مقامات سے گزرنا پڑتا ہے پھر اس کا دل ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلیوں کا جلوہ گاہ ہو سکتا ہے۔ اس مقام کی بلندیوں پر بھی آنحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کوئی فائز نہیں ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ مقام ملا مگر وہ یہاں بھی صاحبِ خبر ہیں جبکہ آپ ان کے مقابلہ میں صاحب نظر ہیں اور نظر کا درجہ خبر سے ارفع ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ سُنا وہ درخت سے نہیں بلکہ حق تعالیٰ سے سنا۔ اس لیے حلاج کہتے ہیں کہ میری مثال بھی ایسی ہے جو کچھ میں کہتا ہوں وہ اسی کی طرف سے ہوتا ہے بلکہ تعجب کی بات ہے کہ درخت سے "انا اللہ" کی آواز آئے تو کوئی حرج نہیں اور مجھ سے "انا الحق" کی صدا بلند ہو جائے تو انکار اور مواخذہ۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ محمود شبستری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

روا باشد انا الحق از درختی
چرا نبود روا از نیک بختی

چوتھا باب **طاسین الدائرہ** جو گیارہ دفعات پر پھیلا ہوا ہے، اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے کہ علم و معرفت کے اعتبار سے ایک درجہ ظاہری معلومات کا ہے۔ اس درجہ کا آدمی حقیقت الحقیقت تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس درجہ سے بلند تر دائرہ علم کا آدمی وہاں پہنچ تو سکتا ہے مگر اس مقام پر متمکن نہیں ہو سکتا اور وہیں سے اس کی رجعت اور بازگشت شروع ہو جاتی ہے۔ ان دونوں سے اوپر تیسرا دائرہ کمالِ عرفان کا ہے۔ وہاں عارف حقیقت الحقیقت کی گہرائیوں میں گم ہو جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں ظاہر و باطن اور اشکال و

الوان کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔ اس درجۂ کمال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدرجۂ اتم فائز ہوئے ہیں، اور آپ کے ماننے والوں کو اس مقام کی اطلاع دی گئی ہے۔

پانچواں باب **طاسین النقطہ** کا ہے جو ۲۹ دفعات پر مشتمل ہے۔ گذشتہ باب کی تشریح و تفسیر کرتا ہے اور اس امر پر روشنی ڈالتا ہے کہ ہر دائرے کے لیے نقطہ ایک اصل ہے جس کے بغیر کسی دائرے کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور یہ نقطہ نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے اور نہ فنا ہو سکتا ہے لہٰذا دائرے قائم رہیں گے۔

پہلے یعنی مادی علوم کے دائرے کا انسان اہلِ حال کا انکار کر دے گا۔ دائرہ ثانی کا آدمی اس کو عالم ربانی کہے گا۔ دائرہ ثالث کا آدمی اس کو بامراد تصور کرے گا مگر جب دائرۃ الحقیقت کو پہنچے گا تو اس پر تحیر کا عالم طاری ہو جائے گا۔ اسی کو فنائے ذات کا درجہ کہتے ہیں اور یہ سب سے ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ انسانیت، معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں وہاں پہنچ سکی ہے۔ یہاں زمان و مکان کی پرچھائیں نہیں ہے۔ یمین و یسار اور پست و بالا کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

چھٹا باب **طاسین الازل والالتباس**، ۳۶ دفعات پر مشتمل ہے اس کتاب کا نہایت اہم باب ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حلاج نے قید خانہ میں جو کتابیں تحریر کیں ان میں سے طاسین الازل بھی ہے جو ابن عطار کو ۳۰۹ھ میں ملی ہے۔ ابتدا میں حقیقتِ محمدیہ کو پیش کیا ہے، پھر ابلیس کا وہ تفصیلی مکالمہ درج کیا ہے جو حق تعالیٰ اور اس کے درمیان ہوا ہے اور جس کا جا بجا ذکر قرآن شریف میں ملتا ہے۔ حلاج کہتا ہے کہ اگرچہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابلیس دونوں مقام وحدتِ ذات تک پہونچے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مقام عین العین (ذات بحت) منکشف کر دیا گیا اسی لیے آپ نے فرمایا "لا احصی ثنا علیک" جبکہ ابلیس مقام عین العین سے گر پڑا۔ چنانچہ جب اس سے کہا گیا کہ "سجدہ کر" تو جواب دیا "لا غیر" گویا ابلیس کا یہ کہنا کہ اے پروردگار تیرے علاوہ سجدہ کا کوئی سزاوار نہیں ہے اس کے ایک بڑے موحد ہونے کی دلیل ہے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان اس مکالمے کو درج کیا ہے جو عقبہ

طور پر پیش آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو نے انکار کا راستہ اختیار کر کے نافرمانی کی ہے۔" ابلیس نے جواب دیا، کہ "اے موسیٰ یہ نافرمانی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی آزمائش ہے جو ازل سے مشیت ایزدی میں مقدر ہو چکی تھی۔ اگر میرے رب کو یہی منظور ہے تو مَیں اس میں خوش ہوں کیونکہ میری سابقہ خدمات میری اپنی ذات اور حظ نفس کے لیے تھیں اب مَیں جو کچھ کروں گا اس کی رضامندی اور خوشنودی کے لیے ہوگا۔ حلاج کہتا ہے کہ اس مکالمہ کے پیش نظر ابلیس مقام ذات کا سب سے بڑا دانائے راز ہے۔

حلاج نے ان مکالموں کے بعد نتیجے کے طور پر اپنا وہ مکالمہ و مناظرہ قلم بند کیا ہے جو اس کے اور ابلیس و فرعون کے درمیان عالم خیال میں فتوت (یعنی اولوالعزمی اور جوانمردی) کے بارے میں واقع ہوا۔ جس میں ابلیس نے کہا "اگر مَیں سجدہ کرتا تو لفظ فتوت کا اطلاق ہرگز مجھ پر نہ ہوتا۔" فرعون نے کہا "اگر میں اس کے رسول پر ایمان لے آتا تو مرتبہ فتوت سے گر جاتا" اس پر حلاج نے کہا کہ اگر مَیں اپنے قول اور دعوے سے باز آجاؤں، تو بساطِ فتوت سے دُور جا پڑوں گا۔ اور یہ کیسے ممکن ہے جبکہ ابلیس و فرعون جو دونوں مردود اور ملعون ہیں اتنے ثابت قدم ہیں اور مَیں حق پر ہوں بلکہ حق کا ایک پر تو ہوں اپنے دعویٰ "انا الحق" سے دست بردار ہو جاؤں۔ اس لیے مَیں یہ کہوں گا کہ اولوالعزمی اور ثابت قدمی میں میرے استاد ابلیس اور فرعون ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ گلستان میں ہے "لقمان را پرسیدند ادب از کہ آموختی؟ گفت از بی ادباں۔ پس اہل دنیا مجھ سے جو چاہے سلوک کریں۔ قتل کریں، سنگسار کریں، میرا بند بند جدا کریں، میری تذلیل و تکفیر کریں اور مجھے روح فرسا اور جانگزا آلام و مصائب کا نشانہ بنائیں لیکن میرے پائے ثبات میں ہرگز لغزش نہ آئے گی اور میرے رونگٹے رونگٹے سے صدائے انا الحق بلند ہوتی رہے گی۔ یہ ہے وہ مقام فنائے ذات کا، جس کے بارے میں حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

حلاج بر سر دار ایں نکتہ خوش سراید
از شافعی پپرسید امثال ایں مسائل

اس طاسین کے آخر میں لفظ ابلیس اور عزازیل سے بھی بحث کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے

اس کی اصلیت اور مرجع کیا ہے اور کیوں یہ نام اس کے لیے تجویز ہوا ہے؟ ابلیس اگرچہ معلم الملائکہ رہا مگر یہی علم و معرفت اس کے لیے حجاب بن گئی اور اسی بنا پر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قربِ خداوندی سے دھتکار دیا گیا اور دوری وجدائی کے لامحدود فاصلوں میں سرگرداں بنا دیا گیا۔

کتاب کا ساتواں باب **طاسین المشیئت**، ارادۂ خداوندی سے متعلق ہے اس میں پانچ دفعات ہیں اور ان دائروں کا ذکر ہے جن کا حوالہ اوپر آچکا ہے ان میں ابلیس کی زبانی یہ بات تبلائی گئی ہے کہ اگر وہ پہلے دائرے سے نکل بھی جاتا تو دوسرے دائرے میں اُلجھ جاتا اور اگر دوسرے سے خلاصی ممکن ہوتی تو تیسرے میں گرفتار ہو جاتا۔ اس لیے ابلیس کا کردار بھی مشیت ایزدی ہی کا ایک حصہ ہے۔

آٹھواں باب **طاسین التوحید** کے عنوان سے ہے جس کی دس دفعات میں توحید کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ اس کی تعریف اور اس کا ادراک انسانی عقل و فہم اور علم و بصیرت کی سطح سے کہیں بلند ہے۔

نواں باب، **طاسین الاسرار فی التوحید**، دراصل گزشتہ باب ہی کی شرح و تفصیل ہے۔ اس باب میں ۱۴ دفعات ہیں۔

دسواں باب، **طاسین التنزیہ** کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں صرف فارسی متن ہے جو ۲۴ دفعات پر مشتمل ہے۔ اس میں اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے کہ کسی عبارت، کسی بیان اور کسی تمثیل و تشبیہ سے اس کی تعریف و توصیف نہیں کی جا سکتی۔ ذاتِ باری تعالیٰ ہمارے علم، فہم اور ادراک سے بلند اور منزہ ہے ہم جو بات بھی کہیں گے ادھوری ہوگی۔ جو مثال بھی سامنے لائیں گے وہ ناقص ٹھہرے گی۔

گیارھواں باب **بستان المعرفہ طواسین** کا آخری باب ہے۔ بعض حضرات نے اس کو الگ تصنیف بتلایا ہے مگر درست یہی ہے کہ یہ طواسین ہی کا آخری حصہ ہے۔ اس کی ۲۶ دفعات میں سے اکثر و بیشتر عربی متن رکھتی ہیں۔ اس میں طاسین التنزیہہ کے مضمون کو ہی مزید شرح و بسط سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ کا یہ شعر ہے

؎ اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم   وز ہر چہ گفتہ اند، شنیدیم و خواندہ ایم

روزبہان بقلی (۵۲۲ھ-۶۰۶ھ)

آپ کا پورا نام شیخ صدرالدین ابومحمد روزبہان بزرگ ہے۔ ابونصر احمد بن روزبہان سائر بقلی کے بیٹے ہیں۔ ۵۲۲ھ میں فسا میں جو شیراز کے مضافات میں ہے پیدا ہوئے آپ کا تعلق قبیلہ دیالمہ سے تھا۔ سیدالاقطاب، شیخ کبیر اور شطاح فارس کے القاب سے موسوم ۸۴ سال کی عمر پاکر وسط محرم ۶۰۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

خود شیخ کا قول ہے کہ میں ایسے قبیلے میں پیدا ہوا جس میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی تحصیل علم میں مشغول ہو گئے اور بچپن ہی سے اپنے آپ کو ریاضت و مجاہدات کا خوگر بنا لیا۔ شیراز کے قریب ۵۶۰ھ میں آپ نے ایک رباط بنوایا۔ اسی میں اکثر قیام فرماتے تھے۔

شروع میں آپ نے عراق، شام اور حجاز کا سفر کیا ہے۔ حافظ سیفی سے آپ نے صحیح بخاری کی سماعت فرمائی ہے۔ ابوالنجیب سہروردی کے ساتھ سکندریہ میں مقیم رہے ہیں۔ شیخ سراج الدین محمود بن خلیفہ سے آپ نے خرقہ حاصل کیا ہے اور ان کے باکمال مریدوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کا سلسلہ بیعت چھ واسطوں سے ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازیؒ تک پہنچتا ہے اور چند واسطوں کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ پر منتہی ہوتا ہے۔

آپ شب زندہ دار، تہجد گزار اور مسلسل روزہ رکھنے والے تھے۔ قرآن شریف کا ورد بکثرت کرتے تھے۔ صاحب حال تھے۔ غلبہ، ذوق اور وجد کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ کی شخصیت باوقار اور جاذب تھی۔ آپ کے اخلاق جمیلہ سے ہر شخص متاثر تھا۔

رسالہ روح الجنان میں آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً چالیس بتلائی گئی ہے۔ جن میں سے مشہور یہ ہیں (۱) لطائف البیان من تفسیر القرآن ۔ یہ قرآن شریف کی تفسیر ہے جو جمہور کے مسلک کے مطابق لکھی گئی ۔ اس میں ابن عباس، ضحاک، قتادہ، کلبی رحمہم اللہ کے اقوال وامثال لائے گئے ہیں ۔ دوسری تفسیر عرائس البیان ہے جو طبقہ صوفیا میں مقبول ہے ۔اس میں جنید، ابن عطار، شبلی، ابوبکر واسطی اور سہل تستری وغیرہ کے نظریات اور اقوال پیش کیے گئے ہیں ۔ علم حدیث میں دو عمدہ تصانیف چھوڑی ہیں (۱) مکنون الحدیث (۲) مفاتیح فی شرح المصابیح ۔ فقہ میں موشح آپ کی بلند تصنیف ہے جو چاروں اماموں کے مذاہب پر مشتمل ہے اور اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے ۔ علم اصول میں آپ کی تالیف کتاب الرشاد ہے جو اپنے موضوع پر بلند تصنیف خیال کی جاتی ہے۔

منطق الاسرار ۔ اس کتاب میں آپ نے ایک ہزار سے زائد مشائخ کبار کے مقامات سے بحث کی ہے اور ان کے قلبی واردات اور بے خودی کے عالم میں ان میں سے سرزد شطحیات کی تشریح کر کے اس کا موازنہ و مقابلہ شریعت سے کیا ہے ۔ ان میں شرح طواسین مصنفہ حسین بن منصور حلاج سب سے زیادہ شہرت رکھتی ہے اور یہی اس کتاب کے متن میں شامل کی گئی ہے ۔

روز بہاں بقلی حلاج کے بہت مداح اور گرویدہ تھے ۔ ان کے نزدیک حلاج مظلوم ہے لوگ اس کے مقام کو نہیں پہچان سکے ۔

لوئی ماسینیوں (۱۸۸۳ء-۱۹۶۲ء)

حلاج اور ماسینیوں کا نام لازم و ملزوم ہوگیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حلاج کو علمی دنیا میں روشناس کرانے کا سہرا ماسینیوں کے سر ہے۔ اس فرانسیسی مستشرق نے نہایت تحقیق اور جانفشانی سے حلاج کے حالات زندگی اور اس کی تالیفات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اس سے بہتر اب ممکن نہیں۔ اس کی تحقیقات سے پیشتر حلاج کی زندگی پر افسانوں اور غیر معتبر روائیتوں کا غلاف پڑا ہوا تھا۔ یہ چند سطور جو سویرا۔ خاص شمارہ لاہور سے اخذ کی گئی ہیں۔ ماسینیوں کی زندگی کا ایک نہایت مختصر خاکہ پیش کرتی ہیں۔

لوئی ماسینیوں ۲۵ جولائی ۱۸۸۳ء پیرس کے قریب ایک قریہ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ فرڈیناںڈ (۱۸۵۵ء-۱۹۲۲ء) معروف نقاش اور سنگ تراش تھا۔ ماسینیوں نے اپنی ثانوی تعلیم ۱۸۹۹ء میں مکمل کر لی۔ اور پھر مشرقی زبانوں کے سیکھنے میں منہمک ہو گیا۔ ۱۹۰۴ء میں مراکش کا سفر کیا اور ۱۹۰۶ء میں عربی زبان میں ڈپلوما حاصل کیا۔ بعد میں قاہرہ میں ملازمت اختیار کر لی اور مارچ ۱۹۰۷ء میں اس نے حلاج کو اپنا موضوع تحقیق بنا لیا۔

ماسینیوں نے ۱۹۱۴ء میں شادی کی۔ جس سے تین بچے پیدا ہوئے۔ بڑے لڑکے کا باپ کے سامنے ہی انتقال ہوگیا۔ دوسرا لڑکا بقید حیات ہے۔ لڑکی کا انتقال باپ کی وفات کے چار سال بعد ہوا۔

جنگ عظیم کے دوران ماسینیوں مختلف محاذوں پر کام کرتا رہا۔ دو سال وزارت خارجہ میں رہا اور ۱۹۱۹ء میں پیرس پہنچنے کے بعد پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۹۵۴ء تک اسی عہدہ پر رہا۔ ۱۹۵۲ء میں امریکہ اور کینیڈا کی یونیورسٹیوں میں مقالات پڑھے۔ ۱۹۵۳ء میں ہندوستان بھی آیا۔

اور اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں افریقہ کے ممالک کی سیر و سیاحت کی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء بمقام پیرس اس کا انتقال ہوا۔

لوئی ماسنیوں جامع الکمالات شخصیت کا مالک تھا۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر مختلف علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل کی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ جس موضوع کے ساتھ اس کو لگاؤ تھا اور جس نے اس کو شہرتِ دوام بخشی وہ اس کا حلاج کے متعلق تحقیقی کارنامہ ہے۔ یہ کتاب اس نے ۲۲ء میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرنے کے لیے پیش کی۔ اس کتاب کی دو جلدیں ہیں جس میں حلاج کے حالات زندگی، اس کے عقائد و نظریات، اس کے استاد و مشائخ، اس کے شاگرد۔ اس کے دوست دشمن۔ اس کی تالیفات و تصنیفات غرض ہر وہ چیز جو حلاج سے متعلق ہو سکتی ہے۔ اس سے بحث کی ہے۔ ماسنیوں نے اپنی زندگی کے کم و بیش ساٹھ سال حلاج پر کام کرنے میں گزارے ہیں۔ اسی والہانہ تعلق کی بنا پر جہاں حلاج کا ذکر کیا جائے وہاں ماسنیوں کا تذکرہ لازمی خیال کیا جاتا ہے۔

باب الاوّل

طاسین السراج

۱ — طٰسٓ، سِراجٌ مِنْ نُورِ الغَيبِ بَدَا وعادَ وَجاوَزَ السِّراجَ وَسادَ قَمَرٌ تَجلّى مِنْ بَيْنِ الأَقْمَارِ بُرُوجُهُ فِي فَلَكِ الأَسْرَارِ ـ سَمّاهُ الحَقُّ "أُمِّيًا" لِجَمْعِ هِمَّتِهِ وَ "حَرَمِيًّا" لِعِظَمِ نِعْمَتِهِ وَ "مَكِّيًّا" لِتَمْكِينِهِ عِنْدَ قُرْبَتِهِ ـ

۲ — شَرَحَ صَدْرَهُ وَرَفَعَ قَدْرَهُ وَأَوْجَبَ أَمْرَهُ فَأَظْهَرَ بَدْرَهُ ـ طَلَعَ بَدْرُهُ مِنْ غَمامَةِ اليَمامَةِ وَأَشْرَقَتْ شَمْسُهُ مِنْ نَاحِيَةِ تِهامَةِ وَأَضاءَ سِراجُهُ مِنْ مَعْدَنِ الكَرَامَةِ ـ

۳ — ما أَخْبَرَ إِلَّا عَنْ بَصِيرَتِهِ وَلَا أَمَرَ بِسُنَّتِهِ إِلَّا عَنْ حقِّ سِيرَتِهِ ـ حَضَرَ فَأَحْضَرَ وَأَبْصَرَ فَخَبَّرَ وَأَنْذَرَ فَحَذَّرَ ـ

٤ — ما أَبْصَرَهُ أَحَدٌ عَلَى التَّحْقِيقِ سِوَى الصِّدِّيقِ لِأَنَّهُ وافَقَهُ ثُمَّ رافَقَهُ لِئَلّا يَبْقَى بَيْنَهُما فَرِيقٌ ـ

٥ — ما عَرَفَهُ عارِفٌ إِلَّا جَهِلَ وَصْفَهُ ـ

"وَالَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ الكِتٰبَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ" ط (۲پ :۱٤۱)

٦ — أَنْوارُ النُّبُوَّةِ مِنْ نُورِهِ بَرَزَتْ وَأَنْوارُهُمْ مِنْ نُورِهِ ظَهَرَتْ وَلَيْسَ فِي الأَنْوارِ نُورٌ أَنْوَرُ وَأَظْهَرُ وَأَقْدَمُ مِنَ القِدَمِ سِوَى نُورِ صاحِبِ الكَرَمِ ـ

٧— هِمَّتُهٗ سَبَقَتِ الْهِمَمَ وَ وُجُوْدُهٗ سَبَقَ الْعَدَمَ وَاسْمُهٗ سَبَقَ الْقَلَمَ لِاَنَّهٗ كَانَ قَبْلَ الْاُمَمِ ـ مَاكَانَ فِي الْاٰفَاقِ وَ دُوْنَ الْاٰفَاقِ اَظْرَفُ وَ اَشْرَفُ وَ اَعْرَفُ وَ اَنْصَفُ وَ اَرْأَفُ وَاَخْوَفُ وَ اَعْطَفُ مِنْ صَاحِبِ هٰذِهِ الْقَضِيَّةِ وَ هُوَ سَيِّدُ الْبَرِيَّةِ ـ اَلَّذِیْ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ وَ نَعْتُهٗ اَوْحَدُ وَ اَمْرُهٗ اَوْكَدُ وَ ذَاتُهٗ اَوْجَدُ وَ صِفَتُهٗ اَمْجَدُ وَ هِمَّتُهٗ اَفْرَدُ ـ

٨— يَاعَجَبًا مَّا اَظْهَرَهٗ وَاَنْظَرَهٗ وَ اَكْبَرَهٗ وَ اَشْهَرَهٗ وَ اَنْوَرَهٗ وَاَقْدَرَهٗ وَ اَبْصَرَهٗ ـ لَمْ يَزَلْ، كَانَ، كَانَ مَشْهُوْرًا قَبْلَ الْحَوَادِثِ وَ الْكَوَائِنِ وَالْاَكْوَانِ، وَلَمْ يَزَلْ كَانَ مَذْكُوْرًا قَبْلَ الْقَبْلِ وَبَعْدَ الْبَعْدِ وَ الْجَوَاهِرِ وَالْاَلْوَانِ ـ جَوْهَرُهٗ صَفَوِيٌّ كَلَامُهٗ نَبَوِيٌّ عِلْمُهٗ عَلَوِيٌّ عِبَارَتُهٗ عَرَبِيٌّ قَبِيْلَتُهٗ لَا شَرْقِيٌّ وَّلَاغَرْبِيٌّ (سُورۂ نور، پ١٨ : ٣٥) جِنْسُهٗ اَبَوِيٌّ صَاحِبُهٗ اُمِّيٌّ ـ

٩— بِاِشَارَتِهٖ اَبْصَرَتِ الْعُيُوْنُ، بِهٖ عُرِفَتِ السَّرَآئِرُ وَالضَّمَآئِرُ اَلْحَقُّ اَنْطَقَهٗ وَ الدَّلِيْلُ صَدَقَهٗ وَ الْحَقُّ اَطْلَقَهٗ هُوَ الدَّلِيْلُ وَ هُوَالْمَدْلُوْلُ، هُوَ الَّذِیْ جَلَا الصَّدَا عَنِ الصَّدْرِ الْمَغْلُوْلِ هُوَ الَّذِیْ اَتٰی بِكَلَامٍ قَدِيْمٍ لَا مُحْدَثٍ وَ لَا مَقُوْلٍ وَ لَا مَفْعُوْلٍ بِالْحَقِّ مَوْصُوْلٌ غَيْرَ مَفْصُوْلٍ ـ اَلْخَارِجُ عَنِ الْمَعْقُوْلِ هُوَالَّذِیْ اَخْبَرَ عَنِ النِّهَايَةِ وَالنِّهَايَاتِ وَ نِهَايَاتِ النِّهَايَةِ

١٠— رَفَعَ الْغَمَامَ وَاَشَارَ اِلٰی بَيْتِ الْحَرَامِ، هُوَالتَّمَامُ هُوَ الْهُمَامُ، هُوَالَّذِیْ اَمَرَ بِكَسْرِ الْاَصْنَامِ هُوَالَّذِیْ اُرْسِلَ اِلَی الْاَنَامِ وَ الْاَجْرَامِ ـ

١١- فَوْقَهُ غَمَامَةٌ بَرِقَتْ وَتَحْتَهُ بَرْقَةٌ لَمَعَتْ وَاَشْرَقَتْ وَاَمْطَرَتْ وَاَثْمَرَتْ، اَلْعُلُوْمُ كُلُّهَا قَطْرَةٌ مِّنْ بَحْرِهٖ، اَلْحِكَمُ كُلُّهَا غُرْفَةٌ مِّنْ نَّهْرِهٖ، اَلزَّمَانُ كُلُّهَا سَاعَةٌ مِّنْ دَهْرِهٖ-

١٢- اَلْحَقُّ بِهٖ وَبِهِ الْحَقِيْقَةُ هُوَ الْاَوَّلُ فِى الْوُصْلَةِ، هُوَالْاٰخِرُ فِى النُّبُوَّةِ، وَالْبَاطِنُ بِالْحَقِيْقَةِ وَالظَّاهِرُ بِالْمَعْرِفَةِ-

١٣- مَا وَصَلَ اِلٰى عِلْمِهٖ عَالِمٌ وَلَا اَطْلَعَ عَلٰى فَهْمِهٖ حَاكِمٌ-

١٤- اَلْحَقُّ مَا اَسْلَمَهُ اِلٰى خَلْقِهٖ لِاَنَّهُ هُوَ وَاِنِّى هُوَ وَهُوَ هُوَ-

١٥- مَا خَرَجَ عَنْ مِّيْمِ مُحَمَّدٍ وَمَادَخَلَ فِىْ حَائِهٖ اَحَدٌ حَاؤُهُ، مِيْمٌ ثَانِيَةٌ وَالدَّالُ مِيْمٌ اَوَّلُهُ- دَالُهُ دَوَامُهُ مِيْمُهُ مَحَلُّهُ، حَاؤُهُ حَالُهُ، حَالُهُ مِيْمٌ ثَانِيَةٌ-

١٦- اَظْهَرَ مَقَالَهُ اَبْرَزَ اَعْلَامَهُ اَشَاعَ بُرْهَانَهُ اَنْزَلَ فُرْقَانَهُ اَطْلَقَ لِسَانَهُ اَشْرَقَ جِنَانَهُ اَعْجَزَ اَقْرَانَهُ اَثْبَتَ بُنْيَانَهُ رَفَعَ شَأْنَهُ-

١٧- اِنْ هَرَبْتَ مِنْ مَّيَادِيْنِهٖ فَاَيْنَ السَّبِيْلُ فَلَادَلِيْلُ يَآاَيُّهَا الْعَلِيْلُ وَحِكَمُ الْحُكَمَآءِ عِنْدَ حِكْمَتِهٖ كَكَثِيْبٍ مَّهِيْلٍ

باب الثانی

طاسین الفہم

١ــ اَفْهَامُ الْخَلَائِقِ لَا تَتَعَلَّقُ بِالْحَقِيقَةِ وَالْحَقِيقَةُ لَا تَتَعَلَّقُ بِالْخَلِيقَةِ. اَلْخَوَاطِرُ عَلَائِقُ وَعَلَائِقُ الْخَلَائِقِ لَا تَصِلُ اِلَى الْحَقَائِقِ وَالْاِدْرَاكُ اِلٰى عِلْمِ الْحَقِيقَةِ صَعْبٌ فَكَيْفَ اِلٰى حَقِيقَةِ الْحَقِيقَةِ ـ اَلْحَقُّ وَرَاءُ الْحَقِيقَةِ وَالْحَقِيقَةُ دُوْنَ الْحَقِّ ـ

٢ــ اَلْفَرَاشُ يَطِيْرُ حَوْلَ الْمِصْبَاحِ اِلَى الصَّبَاحِ وَيَعُوْدُ اِلَى الْاَشْكَالِ فَيُخْبِرُهُمْ عَنِ الْحَالِ بِاَلْطَفِ الْمَقَالِ ثُمَّ يَمْرَحُ بِالدَّلَالِ طَمْعًا فِي الْوُصُوْلِ اِلَى الْكَمَالِ ـ

٣ــ ضَوْءُ الْمِصْبَاحِ عِلْمُ الْحَقِيقَةِ وَحَرَارَتُهُ حَقِيقَةُ الْحَقِيقَةِ وَالْوُصُوْلُ اِلَيْهِ حَقُّ الْحَقِيقَةِ ـ

٤ــ لَمْ يَرْضَ بِضَوْئِهٖ وَ حَرَارَتِهٖ فَيُلْقِيْ جُمْلَتَهٗ فِيْهِ وَالْاَشْكَالُ يَنْتَظِرُوْنَ قُدُوْمَهٗ فَيُخْبِرُهُمْ عَنِ النَّظَرِ حِيْنَ لَمْ يَرْضَ بِالْخَبَرِ فَحِيْنَئِذٍ يَصِيْرُ مُتَلَاشِيًا مُتَصَاغِرًا مُتَطَايِرًا فَيَبْقٰى بِلَا رَسْمٍ وَّ جِسْمٍ وَّ اِسْمٍ وَّ وَسْمٍ، فَلِاَيِّ مَعْنًى يَعُوْدُ اِلَى الْاَشْكَالِ وَ بِاَيِّ حَالٍ بَعْدَ مَا حَارَ صَارَ مَنْ وَصَلَ اِلَى النَّظَرِ اسْتَغْنٰى عَنِ الْخَبَرِ وَمَنْ وَصَلَ اِلَى الْمَنْظُوْرِ اسْتَغْنٰى عَنِ النَّظَرِ ـ

٥ـ لَا يُصَحِّحُ هٰذِهِ الْمَعَانِيْ لِلسَّوَانِي وَلَا الْفَانِي وَلَا الْجَانِي وَلَا لِمَن يَّطْلُبُ الْاَمَانِي، كَاَنِّيْ كَاَنِّيْ، وَكَاَنِّيْ هُوَ، اَوْ هُوَاَنِي۔ لَا تَوَقَّ عَنِّيْ اِنْ كُنْتَ "اَنِّيْ"

٦ـ يَاَيُّهَا الظَّآنّ لَا تَحْسَبْ اَنِّيْ "اَنَا" اَلْاٰنَ، اَوْ يَكُوْنُ اَوْ كَانَ۔

٧ـ اِنْ كُنْتَ تَفْهَمُ فَافْهَمْ مَا صَحَّتْ هٰذِهِ الْمَعَانِيْ لِاَحَدٍ سِوٰى اَحْمَدَ، "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ اِلَى النَّبِيّيْنَ" (احزاب ۳۳ : ۴۰)

وَغَابَ عَنِ الثَّقَلَيْنِ وَ غَمَضَ الْعَيْنَ عَنِ الْاَيْنِ، حَتّٰى لَمْ يَبْقَ لَهٗ رَيْنٌ وَّلَا مَيْنٌ۔

٨ـ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ (سُوْرَه نجم ۵۳ : ۹)۔

حِيْنَ وَصَلَ اِلٰى مَفَازَةِ عِلْمِ الْحَقِيْقَةِ اَخْبَرَ عَنِ الْفُؤَادِ وَخَبَرَ، لَمَّا وَصَلَ اِلٰى حَقِّ الْحَقِيْقَةِ تَرَكَ الْمُرَادَ وَاسْتَسْلَمَ لِلْجَوَادِ، وَحِيْنَ وَصَلَ اِلَى الْحَقِّ عَادَ فَقَالَ "سَجَدَ لَكَ سَوَادِيْ وَاٰمَنَ بِكَ فُؤَادِيْ"۔

لَمَّا وَصَلَ اِلٰى غَايَةِ الْغَايَاتِ قَالَ "لَآ اُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْكَ"۔ وَحِيْنَ وَصَلَ اِلٰى حَقِيْقَةِ الْحَقِيْقَةِ قَالَ "اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ"۔

جَحَدَ الْهَوٰى فَلَحِقَ الْمُنَا "مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى (سُوْرَة نجم ۵۳ : ۱۱)

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، مَا الْتَفَتَ يَمِيْنًا اِلَى الْحَقِيْقَةِ وَلَا

شِمَالاً اِلٰی حَقِیْقَۃِ الْحَقِیْقَۃِ، "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" (سورہ نجم ۵۳ : ۱۷)۔

باب الثالث

طاسين الصفا

١ — الحقيقة دقيقة طرقها مضيقة، فيها نيران شهيقة ودونها مفازة عميقة - الغريب سلكها، يخبر عن قطع مقامات الاربعين مثل مقام الادب، والذهب، والسبب، والطلب، والعجب والعطب، والطرب، والشره، والنزه، والصفاء، والصدق والرفق، والعتق، والتسويح، والترويح، والتماني، والشهود والوجود، والعد، والكد، والرد، والامتداد، والاعتداد والانفراد، والانقياد، والمراد، والحضور، والرياضة، والحياطة والافتقاد، والاصطلاد، والتدبر، والتحير، والتفكر، والتصبر والتيقض، والرعاية، والهداية، والبداية، فهي مقام اهل الصفاء والصفوية -

٢ — ولكل مقام معلوم ومفهوم وغير مفهوم -

٣ — ثم دخل على المفازة وحازها ثم جازها فما لاهل والمهل من الجبل والسهل -

٤ — "فلما قضى موسى الاجل" (سورة قصص ٢٨ : ٢٩) - ترك الاهل حين صار للحقيقة اهل ومع ذلك كله رضى بالخبر دون النظر ليكون فرقا بينه وبين خير البشر، فقال "لعلي آتيكم منها بخبر" (سورة نمل ٢٧ : ٧)

٥ ـــ فَاِذَا رَضِیَ الْمُهْتَدِیْ بِالْخَبَرِ فَکَیْفَ لَا یَکُوْنُ الْمُقْتَدِیْ عَلَی الْاَثَرِ ـ

٦ ـــ مِنَ الشَّجَرَةِ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ مَاسَمِعَ مِنْ شَجَرَةٍ مَاسَمِعَ مِنْ بَرْزِهٖ ـ

٧ ـــ وَمِثْلِیْ مِثْلُ تِلْکَ الشَّجَرَةِ هٰذَا کَلَامُهٗ ـ

٨ ـــ فَالْحَقِیْقَةُ، وَالْحَقِیْقَةُ خَلِیْقَةٌ دَعِ الْخَلِیْقَةَ لِتَکُوْنَ اَنْتَ هُوَ اَوْهُوَ اَنْتَ مِنْ حَیْثِ الْحَقِیْقَةِ ـ

٩ ـــ لِاَنِّیْ وَاصِفٌ وَالْمَوْصُوْفُ وَاصِفٌ وَالْوَاصِفُ بِالْحَقِیْقَةِ فَکَیْفَ الْمَوْصُوْفُ ـ

١٠ ـــ فَقَالَ لَهُ الْحَقُّ اَنْتَ تَهْدِیْ اِلَی الدَّلِیْلِ، لَا اِلَی الْمَدْلُوْلِ وَاَنَا دَلِیْلُ الدَّلِیْلِ ـ

١١ ـــ صَیَّرَنِی الْحَقُّ مَاحَقِیْقَةٌ بِالعھدِ وَالْعَقْدِ وَالْوَثِیْقَته

شَهِدَ سِرِّیْ بِلَا ضَمِیْرِیْ "هٰذَا" سِرِّیْ "ذَا" وَ "ذَا" حَقِیْقَةٌ ـ

باب الرابع

طاسين الدائرة

۱ـ اَلْبرَّانِي مَا وَصَلَ اِلَيْهَا ، وَالثَّانِي وَصَلَ وَانْقَطَعَ وَالثَّالِثُ ضَلَّ فِي مَفَازَةِ "حَقِيْقَةِ الْحَقِيْقَةِ"۔

۲ـ وَهَيْهَاتَ مَنْ يَدْخُلُ الدَّآئِرَةَ وَالطَّرِيْقُ مَسْدُوْدٌ وَالطَّالِبُ مَرْدُوْدٌ ، وَنُقْطَةُ الْفوقَانِيْ هِمَّتُهٗ وَنُقْطَةُ التَّحْتَانِيْ رُجُوْعُهٗ اِلٰى اَصْلِهٖ وَنُقْطَةُ الْوَسْطَانِيْ تَحَيُّرُهٗ ۔

۳ـ وَالدَّآئِرَةُ مَالَهَا بَابٌ وَالنُّقْطَةُ الَّتِيْ فِيْ وِسْطِ الدَّائِرَةِ هِيَ الْحَقِيْقَةُ ۔

۴ـ وَمَعْنَى الْحَقِيْقَةِ شَيْئٌ لَا تَغِيْبُ عَنْهُ الظَّوَاهِرُ وَالْبَوَاطِنُ وَلَا تُقْبِلُ الْاَشْكَالَ ۔

۵ـ فَاِنْ اَرَدْتَّ فَهْمَ مَا اَشَرْتُ اِلَيْكَ "فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ"۔ (سورۂ بقره ۲ : ۲۶۲)۔ لِاَنَّ الْحَقَّ لَا يَطِيْرُ ۔

۶ـ اَلْغَيْرَةُ اَحْضَرَتْهَا بَعْدَ الْغَيْبَةِ ، وَالْهَيْبَةُ مَنَعَتْهَا وَالْحَيْرَةُ سَلَبَتْهَا ۔

۷ـ هٰذِهٖ مَعَانِي الْحَقِيْقَةِ وَادَقُّ ... ذٰلِكَ فَهْمُ الْفَهْمِ لِاِخْفَاءِ الْوَهْمِ ۔

۸ـ هٰذَا مِنْ حَوْلِ الدَّآئِرَةِ يَنظُرُ لَا مِنْ وَّرَاءِ

الدَّائِرَةِ ـ

۹ـ وَأَمَّا عِلْمُ عِلْمِ الْحَقِيْقَةِ حَرَمِيٌّ وَالدَّائِرَةُ حُرْمَتُهٗ

۱۰ـ فَلِذٰلِكَ سُمِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "حَرَمِيًّا"
مَا خَرَجَ مِنْ دَائِرَةِ الْحَرَمِ ـ

۱۱ـ وَهُوَ وَرَاءَهُ فَقَالَ "آه" ـ

باب الخامس

طاسین النقطه

١ــ وَاَدَقُّ مِنْ ذٰلِكَ ذِكْرُ النُّقْطَةِ ، وَهُوَالْاَصْلُ ، لَايَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ وَلَا يَبِيْدُ ــ

٢ــ اَلْمُنْكِرُ هُوَ فِيْ دَائِرَةِ الْبَرَّانِيِّ وَاَنْكَرَ حَالِيْ حِيْنَ لَمْ يَرَانِيْ وَبِالزَّنْدَقَةِ سَمَّانِيْ ، وَبِالسُّوْءِ رَمَانِيْ ــ

٣ــ وَصَاحِبُ الدَّائِرَةِ الثَّانِيَةِ ظَنَّنِيْ "اَلْعَالِمَ الرَّبَّانِيَّ" ــ

٤ــ وَالَّذِيْ وَصَلَ اِلَى الثَّالِثَةِ حَسِبَ اَنِّيْ فِي الْاَمَانِيْ ــ

٥ــ وَالَّذِيْ وَصَلَ اِلٰى دَائِرَةِ الْحَقِيْقَةِ نَسَانِيْ وَغَابَ عَنْ عِيَانِيْ ــ

٦ــ "كَلَّا لَا وَزَرَ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ ط ، يُنَبَّؤُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ" (سورۂ قیامت ۷۵ : ۱۱، ۱۳)ــ

٧ــ يَفُوْتُ اِلَى الْخَبَرِ فَرَّ اِلَى الْوَزَرِ ، خَافَ مِنَ الشَّرَرِ ، اِغْتَرَّ وَغَرَّرَ ــ

٨ــ رَاَيْتُ طَيْرًا مِّنْ طُيُوْرِ الصُّوْفِيَّةِ ، عَلَيْهِ جَنَاحَانِ ، وَاَنْكَرَ شَاْنِيْ حِيْنَ بَقِيَ عَلَى الطَّيَرَانِ ــ

٩ــ فَسَئَلَنِيْ عَنِ الصَّفَاءِ فَقُلْتُ لَهٗ "اِقْطَعْ جَنَاحَكَ

بِمَقَارِضِ الْفَنَاءِ وَاِلَّا فَلَا تَتْبَعْنِیْ۔

۱۰۔ فَقَالَ "بِجَنَاحِ اَطِیْرُ"، فَقُلْتُ لَهٗ، "وَیْحَکَ! لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ"۔ (سُوْرَۃُ شُوریٰ، ۴۲: ۹)۔ فَوَقَفَ یَوْمَئِذٍ فِیْ بَحْرِ الْفَهْمِ وَغَرِقَ۔

۱۱۔ وَصُوْرَۃُ الْفَهْمِ هٰذَا

رَاَیْتُ رَبِّیْ بِعَیْنِ الْقَلْبِ فَقُلْتُ "مَنْ اَنْتَ" قَالَ "اَنْتَ"
فَلَیْسَ لِلْاَیْنِ مِنْكَ اَیْنَ وَلَیْسَ اَیْنَ بِحَیْثُ اَنْتَ
وَلَیْسَ لِلدَّهْرِ عَنْكَ وَهْمٌ فَیَعْلَمُ الْوَهْمُ اَیْنَ اَنْتَ
وَاَنْتَ الَّذِیْ حُزْتَ کُلَّ اَیْنَ بِنَحْوِ لَا اَیْنَ فَاَیْنَ اَنْتَ

۱۲۔

۱۳۔ عَلٰی قَلْبِهٖ بَاتَ، مِنْ رَّبِّهٖ دَنٰی، غَابَ حِیْنَ رَاٰی مَا غَابَ، کَیْفَ حَضَرَ مَا حَضَرَ کَیْفَ نَظَرَ مَا نَظَرَ۔

۱۴۔ تَحَیَّرَہٗ فَاَبْصَرَ، اَبْصَرَ فَتَحَیَّرَ، شُوْهِدَ فَشَاهَدَ، وَصَلَ فَانْفَصَلَ وَصَلَ بِالْمُرَادِ، فَانْفَصَلَ عَنِ الْفُؤَادِ "مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی" (سُوْرۃُ نجم، ۵۳: ۱۱)۔

۱۵۔ اَخْفَاهُ فَاَدْنَاهُ، وَاَوْلَاهُ فَاَصْفَاهُ، وَاَرْوَاهُ فَغَذَاهُ، وَصَفَاهُ فَاَصْطَفَاهُ، وَدَعَاهُ فَنَادَاهُ، وَبَلَاهُ فَاَشْفَاهُ، وَوَقَاهُ فَاَمْطَاهُ۔

۱۶۔ "فَکَانَ "قَابَ" حِیْنَ تَابَ وَاَصَابَ، وَدُعِیَ فَاَجَابَ وَاَبْصَرَ فَغَابَ وَشَرِبَ فَطَابَ وَقَرُبَ فَهَابَ فَارَقَ الْاَمْصَارَ وَالْاَنْصَارَ وَالْاَسْرَارَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاٰثَارَ

۱۷۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ (سُوْرَہ نجم: ۵۳: ۲) مَا اعْتَلَّ وَمَا مَلَّ۔ مَا اُعْتَلَّ عَیْنٌ "بِاَیْنَ" مَا مَلَّ حِیْنٌ "کَانَ"۔

١٨ـ "مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ" فِى مضافاتِنا وَمُعاملاتِنا. "مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ" فِى بُسْتَانِ الذِّكْرِ فِى مُشَاهَدَتِنَا وَمَاغَوىٰ فِى جَولَانِ الفِكْرِ۔

١٩ـ بَلْ كَانَ الْحَقِّ فِى الْاَنفَاسِ وَاللَّحظَاتِ ذَاكِراً وَكَانَ عَلَى الْبَلَايَا وَالْعَطَايَا شَاكِراً۔

٢٠ـ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحىٰ (سُورہ نجم ٥٣ : ٤). مِنَ النُّورِ اِلَى النُّورِ

٢١ـ اَقْلَبَ الْكَلَامَ وَغَابَ عَنِ الْاَوْهَامِ وَارْفَعَ الْاَقْدَامَ عَنِ الْوَرىٰ وَالْاَنَامِ وَاَقْطَعَ مِنْهُ النَّظْمَ وَالنِّظَامَ. وَكُنْ هَائِماً مَّعَ الْهُيَّامِ وَالطَّلَعِ لِتَكُونَ طَائِراً بَيْنَ لِجُبَالِ وَالْاِكَامِ، جِبَالِ الْفَهْمِ وَاِكَامِ السَّلَامِ لِتَرىٰ مَاتَرىٰ فَتَصِيرُ صَمْصَامُ الصِّيَامِ مِنْ مَّسْجِدِ الْحَرَامِ.

٢٢ـ ثُمَّ دَنىٰ كَاَنَّهٗ دَنىٰ مِنْ مَّعْنىٰ ثُمَّ حَاجَوْ كَعَاجِزٍ لَا كَعَاجِزٍ ثُمَّ مِنْ مَّقَامِ التَّهْذِيْبِ اِلىٰ مَقَامِ التَّأْدِيْبِ وَمِنْ مَّقَامِ التَّأْدِيْبِ اِلىٰ مَقَامِ التَّقْرِيْبِ دَنىٰ طَلَباً فَتَدَلّٰى هَرباً، دَنىٰ دَاعِيًا فَتَدَلّٰى مُنَادِياً، دَنىٰ مُجِيْباً فَتَدَلّٰى قَرِيْباً دَنىٰ شَهِيْدًا فَتَدَلّٰى مُشَاهِدًا،

٢٣ـ "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ" (سُورۂ نجم، ٥٣ : ٩). يَرْمِىْ اَيْنَ بِسَهْمِ "بَيْنَ"، اَثْبَتَ قَوْسَيْنِ لِيُصَحِّحَ اَيْنَ اَوْ لِغَيْبَةِ الْعَيْنِ، اَدْنىٰ بِعَيْنِ الْعَيْنِ۔

٢٤ـ قَالَ الْعَالِمُ الْغَرِيْبُ الْحُسَيْنُ بْنُ الْمَنْصُوْرِ الْحَلَّاجِ رَحِمَهُ اللّٰهُ

٢٥ـ مَا اَظُنُّ يَفْهَمُ كَلَامَنَا سِوىٰ مَنْ بَلَغَ الْقَوسَ الثَّانِى وَالْقَوْسُ الثَّانِىْ دُوْنَ اللَّوحِ۔

٢٦ـ وَلَا حُرُوْفُ سِوىٰ حُرُوْفِ الْعَرَبِيَّةِ۔

٢٧ـ اِلّا حَرْفٌ وّاحِدٌ وّهُوَ الْمِيْمُ ـ

٢٨ـ يَعْنِى الْوِسْمُ الْاٰخِرِ ـ

٢٩ـ وَهُوَ وَتَرُ الْقَوْسِ الْاَوَّلِ ـ

٣٠ ـــــــــــ

٣١ـ قَالَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ : صَنْعَةُ الْكَلَامِ فِىْ مَعْنَى الدَّنُوِّ، فَجَادَ الْمَعْنٰى لِحَقِيْقَةِ لِلْحَقِّ لَا لِطَرِيْقَةِ الْخَلْقِ، وَالدَّنُوُّ دَائِرَةُ الضَّبْطِ ـ

٣٢ـ اَلْحَقِيْقَةُ حَقُّ الْحَقَائِقِ فِىْ دَقِيْقَةِ الدَّقَائِقِ، مِنْ شُهُوْدِ السَّوَابِقِ بِوَصْفِ تِرْيَاقِ التَّائِقِ، بِرُؤْيَةِ قَطْعِ الْعَلَائِقِ، فِىْ نَمَارِقِ الصَّفَائِقِ بِاِبْقَاءِ الْبَوَائِقِ، وَتَبْيِيْنِ الدَّقَائِقِ- بِلَفْظِ الْخَلَاصِ مِنْ سَبِيْلِ الْخَاصِّ مِنْ حَيْثُ الْاَشْخَاصِ وَمِنَ الدُّنُوِّ مَاهُوَ بِمَعْنَى الْمَعْرَضِ الْعَرِيْضِ، لِيَفْهَمِ الْمَعْنَوِىُّ الَّذِىْ سَلَكَ الْمَرْعَوِىَّ الْمَرْوِىِّ النَّبَوِىْ ـ

٣٣ـ قَالَ صَاحِبُ يَثْرِبَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ شَأْنِ مَنْ هُوَ مَحْصُوْنٌ مَصْنُوْنٌ فِىْ كِتَابٍ مَكْنُوْنٍ كَمَا ذَكَرْنَا فِىْ "كِتَابٍ مَسْطُوْرٍ" (سُوْرهٔ طور، ٥٢ : ٢)- مِنْ مَعَانِىْ مَنْطِقِ الطُّيُوْرِ وَجَعَلْنَا اِلٰى "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ يَرْمِى الْعَيْنَ" ـ

٣٤ فَافْهَمْ اِنْ كُنْتَ تَفْهَمُ يَاَيُّهَا التَّائِقُ، مَاخَاطَبَ الْمَوْلٰى اِلَّا اَهْلًا، وَمِنَ الْاَهْلِ اَهْلًا، وَاَهْلَ الْاَهْلِ وَالْاَهْلِ ـ

٣٥ مَنْ لَا اُسْتَاذَ لَهٗ وَلَا تِلْمِيْذَ وَلَا اِخْتِيَارَ وَلَا تَمْيِيْزَ، وَلَا تَمْوِيْهَ وَلَا تَنْبِيْهَ لَابِهٖ، لَامِنْهُ، بَلْ فِيْهِ مَا فِيْهِ، هُوَفِيْهِ لَا فِيْهِ، فِيْهِ تِيْهٌ فِىْ تِيْهٍ، اٰيَةٌ فِىْ اٰيَةٍ ـ

٣٦ـ اَلتَّعَاوِیْ مَعَانِیْہٗ ، وَالْمَعَانِیْ اَمَانِیْہٗ وَاُمْنِیَّتُہٗ بَعِیْدَۃٌ طَرِیْقَتُہٗ شَدِیْدَۃٌ ، اِسْمُہٗ مَجِیْدٌ رَسْمُہٗ فَرِیْدٌ مَعْرِفَتُہٗ نَکِرَتُہٗ ، نَکِرَتُہٗ حَقِیْقَتُہٗ قِیْمَتُہٗ وَثِیْقَتُہٗ اِسْمُہٗ طَرِیْقَتُہٗ ، وَسَمُہٗ حَرِیْقَتُہٗ اَلتَّحَرُّصُ صِفَتُہٗ ـ

٣٧ـ اَلنَّامُوْسُ نَعْتُہٗ ، وَالشُّمُوْسُ مَیْدَانُہٗ وَالنُّفُوْسُ اَیْوَانُہٗ وَالْمَاْنُوْسُ حَیَوَانُہٗ وَالْمَطْمُوْسُ شَاْنُہٗ وَالْمَدْرُوْسُ عَیَانُہٗ وَالْعُرُوْسُ بُسْتَانُہٗ وَالطُّوْسُ بُنْیَانُہٗ ـ

٣٨ـ اَرْبَابُہٗ مُهْرِبِیْ اَرْکَانُہٗ مَوْهَبِیْ ، اِرَادَتُہٗ مَسْئُوْلِیْ اِعْوَانُہٗ مَنْزِلِیْ اَحْزَانُہٗ مَحْزَبِیْ حَوَالِیُّہٗ هَمَدٌ تَوَالِیُّہٗ رَمَدٌ ـ

٣٩ـ مَقَالَتُہٗ رُکْنٌ هٰذَا خَسَبٌ وَمَادُوْنَہٗ فَغَضَبٌ ، ثُمَّ بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ ـ

باب السادس

طاسین الازل والالتباس

۱ــ فِیْ صِحَّۃِ الدَّعَاوِیْ بِعَکْسِ الْمَعَانِیْ - قَالَ الْعَالِمُ السَّیِّدُ الْغَرِیْبُ ابُو الْمُغِیْثُ، قَدَّسَ اللّٰہُ رُوْحَہٗ مَا صَحَّتِ الدَّعَاوِیْ لِاَحَدِ اِلَّا لِاِبْلِیْس وَاَحْمَدَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، غَیْرَ اَنَّ اِبْلِیْسَ سَقَطَ عَنِ الْعَیْنِ واَحْمَدَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ- کُشِفَ لَہٗ عَنْ عَیْنِ الْعَیْنِ -

۲ــ قِیْلَ لِاِبْلِیْسَ "اُسْجُدْ" وَلِاَحْمَدَ "اُنْظُرْ"؛ ھٰذَا مَا سَجَدَ وَاَحْمَدُ مَانَظَرَ، مَا الْتَفَتَ یَمِیْنًا وَّلَا شِمَالاً، "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" (سُوْرۃ نجم، ۵۳: ۱۵) -

۳ــ اَمَّا اِبْلِیْسُ فَاِنَّہٗ دَعَا، لٰکِنَّہٗ، مَارَجَعَ اِلٰی حَوْلِہٖ -

٤ــ وَاَحْمَدُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ادَّعٰی وَرَجَعَ عَنْ حَوْلِہٖ -

۵ــ بِقَوْلِہٖ "بِکَ اَحُوْلُ وَبِکَ اَصُوْلُ"؛ وَبِقَوْلِہٖ "یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ"؛ وَقَوْلِہٖ "لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ" -

٦ــ وَمَا کَانَ فِیْ اَھْلِ السَّمَاءِ مُوَحِّدٌ مِّثْلُ اِبْلِیْسَ -

۷ــ حَیْثُ اِبْلِیْس تَغَیَّرَ عَلَیْہِ الْعَیْنُ وَھَجَرَ الْاَلْحَاظَ فِی السَّیْرِ، وَعَبَدَ الْمَعْبُوْدَ عَلَی التَّجْرِیْدِ -

۸ــ وَلُعِنَ حِیْنَ وَصَلَ اِلَی التَّفْرِیْدِ، وَطُلِبَ حِیْنَ طَلَبَ بِالْمَزِیْدِ -

۹ــ فَقَالَ لَهُ "اسْجُدْ"! ــ قَالَ "لَا غَيْرَ"، قَالَ لَهُ "وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي" قَالَ "لَا غَيْرَ"۔

۱۰ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ

۱۱ــ مَالِي إِلَى غَيْرِكَ سَبِيلٌ وَإِنِّي مُحِبٌّ دَلِيلٌ. قَالَ لَهُ "اسْتَكْبَرْتَ"، قَالَ لَوْ كَانَ لِي مَعَكَ لَحْظَةٌ لَكَانَ يَلِيقُ بِيَ التَّكَبُّرُ وَالتَّجَبُّرُ وَأَنَا الَّذِي عَرَفْتُكَ فِي الْأَزَلِ "أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ" (سُورَةُ اعراف، ۷: ۱۱) ــ لِأَنَّ لِي قَدَمَةٌ فِي الْخِدْمَةِ وَلَيْسَ فِي الْكَوْنَيْنِ أَعْرَفُ مِنِّي بِكَ، وَلِي فِيكَ إِرَادَةٌ وَلَكَ فِيَّ إِرَادَةٌ، إِرَادَتُكَ فِيَّ سَابِقَةٌ، إِنْ سَجَدْتُ لِغَيْرِكَ ــ فَإِنْ لَمْ أَسْجُدْ فَلَا بُدَّ لِي مِنَ الرُّجُوعِ إِلَى الْأَصْلِ لِأَنَّكَ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ، وَالنَّارُ تَرْجِعُ إِلَى النَّارِ وَلَكَ التَّقْدِيرُ وَالْاِخْتِيَارُ۔

۱۲ــ فَمَالِي بُعْدٌ مَالِي بَعْدَكَ بُعْدٌ ... تَيَقَّنْتُ أَنَّ الْقُرْبَ وَالْبُعْدَ وَاحِدٌ
وَإِنِّي وَإِنْ أُهْجِرْتُ فَالْهَجْرُ صَاحِبِي ... وَكَيْفَ يَصِحُّ الْهَجْرُ وَالْحُبُّ وَاحِدٌ
لَكَ الْحَمْدُ فِي التَّوْفِيقِ فِي خَلَاصٍ ... لِعَبْدٍ زَكِيٍّ مَالِي غَيْرَكَ سَاجِدٌ

۱۳ــ الْتَقَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِبْلِيسُ عَلَى عَقَبَةِ الطُّورِ، فَقَالَ لَهُ "يَا إِبْلِيسُ! مَا مَنَعَكَ عَنِ السُّجُودِ؟" فَقَالَ مَنَعَنِيَ الدَّعْوَى بِمَعْبُودٍ وَاحِدٍ وَلَوْ سَجَدْتُ لَهُ لَكُنْتُ مِثْلَكَ، فَإِنَّكَ نُودِيتَ مَرَّةً وَاحِدَةً "انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ" (سُورَةُ اعراف، ۷: ۱۵۳) فَنَظَرْتَ وَنُودِيتُ أَنَا أَلْفَ مَرَّةٍ أَنْ "اسْجُدْ" فَمَا سَجَدْتُ لِدَعْوَايَ بِمَعْنَايَ ۔

۱۴ــ فَقَالَ لَهُ "تَرَكْتَ الْأَمْرَ؟ ــ قَالَ "كَانَ ذٰلِكَ ابْتِلَاءً لَا أَمْرًا۔ فَقَالَ لَهُ "لَا جَرَمَ قَدْ غَيَّرَ صُورَتَكَ" ــ قَالَ لَهُ "يَا مُوسَى ذَا وَذَا۔

تلبيسٌ والحالُ لا معوَّلَ عليهِ فإنّه يحولُ لكنَّ المعرفةَ صحيحةٌ كما كانت وما تغيّرت وإنَّ الشخصَ قد تغيّرَ ـ

١٥ ـ فقالَ موسىٰ "الآنَ تذكرهُ" ؛ فقالَ يا موسىٰ الفكرةُ لا تذكرُ، أنا مذكورٌ وهو مذكورٌ، ذكرهُ ذكري وذكري ذكرهُ، هل يكونَ الذاكرونَ إلّا معاً، خدمتي الآنَ أصفىٰ ووقتي أخلىٰ وذكري أجلىٰ لأنّي كنتُ أخدمهُ في القدمِ لحظّي، والآنَ أخدمهُ لحظّهِ ـ

١٦ ـ ورفعنا الطمعَ عن المنعِ والدفعِ والضرِّ والنفعِ، أفردني، أوحدني، حيّرني، طردني لئلّا أختلطَ معَ المخلصينَ مانعني عن الأغيارِ لغيرتي، غيّرني لحيرتي، حيّرني لغربتي، حرّمني لصحبتي، قبّحني لمدحي أحرمني لهجرتي، هجرني لمكاشفتي كشفني لوصلتي، وصلني لقطعتي، قطعني لمنعِ منيّتي ـ

١٧ ـ وحقّهِ ما أخطأتُ في التدبيرِ، ولا رددتُ التقديرَ ولا باليتُ بتغييرِ التصويرِ، لي علىٰ هذهِ القادرِ التقديرِ إن عذّبني بنارهِ أبدَ الآبدِ ما سجدتُ لأحدٍ ولا أذلُّ لشخصٍ وجسدٍ ولا أعرفُ ضدّاً ولا ولداً ـ دعوايَ دعوى الصادقينَ وأنا في الحبِّ من الصادقينَ ـ

١٨ ـ قالَ الحلّاجُ (رحمهُ اللهُ) :

وفي أحوالِ عزازيلَ أقاويلُ، أحدها أنّه كانَ في السماءِ داعياً وفي الأرضِ داعياً، في السماءِ دعا الملائكةَ يُريهمُ المحاسنَ وفي الأرضِ دعا الإنسَ يُريهمُ القبائحَ ـ

١٩ ـ لأنَّ الأشياءَ تُعرفُ بأضدادها والثوبُ الرقيقُ يُنسجُ

مِنْ وَرَآءِ الْمِسْحِ الْاَسْوَدِ الْمَلَكُ يَعْرِضُ الْمَحَاسِنَ وَيَقُوْلُ لِلْمُحْسِنِ "اِنْ فَعَلْتَهَا اجْزَتَ" مَرْمُوْزًا، وَمَنْ لَّا يَعْرِفُ الْقَبِيْحَ لَا يَعْرِفُ الْحَسَنَ۔

۲۰۔ قَالَ اَبُوْعُمَارَةِ الْحَلَّاجُ وَهُوَالْعَالِمُ الْغَرِيْبُ:

تَنَاظَرْتُ مَعَ اِبْلِيْسَ وَفِرْعَوْنَ فِيْ الْفُتُوَّةِ، فَقَالَ اِبْلِيْسُ "اِنْ سَجَدْتُّ سَقَطَ عَنِّيْ اسْمُ الْفُتُوَّةِ"۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ اِنْ اٰمَنْتُ بِرَسُوْلِهٖ سَقَطْتُّ مِنْ مَنْزِلَةِ الْفُتُوَّةِ۔

۲۱۔ وَقُلْتُ اَنَا "اِنْ رَجَعْتُ عَنْ دَعْوَایَ وَقَوْلِیْ سَقَطْتُّ مِنْ بَسَاطِ الْفُتُوَّةِ"۔

۲۲۔ وَقَالَ اِبْلِيْسُ "اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ" (سُوْرَةُ اعراف، ۷ : ۱۱) حِيْنَ لَمْ يَرَ غَيْرَهٗ غَيْرًا، وَقَالَ فِرْعَوْنُ "مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ" (سُوْرَةُ قصص ۲۸ : ۳۸)۔ حِيْنَ لَمْ يَعْرِفْ فِيْ قَوْمِهٖ مَنْ يُّمَيِّزُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ۔

۲۳۔ وَقُلْتُ اَنَا "اِنْ لَّمْ تَعْرِفُوْهُ فَاعْرِفُوْا اٰثَارَهٗ وَاَنَا ذٰلِكَ الْاَثَرُ وَاَنَا الْحَقُّ لِاَنِّیْ مَازِلْتُ اَبَدًا بِالْحَقِّ حَقًّا"۔

۲۴۔ فَصَاحِبِیْ وَاُسْتَاذِیْ اِبْلِيْسُ وَفِرْعَوْنُ، اِبْلِيْسُ هُدِّدَ بِالنَّارِ وَمَا رَجَعَ عَنْ دَعْوَاهُ۔ وَفِرْعَوْنُ اُغْرِقَ فِيْ الْيَمِّ وَمَا رَجَعَ عَنْ دَعْوَاهُ۔ وَلَمْ يُقِرَّ بِالْوَاسِطَةِ الْبَتَّةَ۔

۲۵۔ وَاِنْ قُتِلْتُ اَوْصُلِبْتُ اَوْقُطِعَتْ يَدَایَ وَرِجْلَایَ، مَارَجَعْتُ عَنْ دَعْوَایَ۔

۲۶۔ اَشْتَقَّ اسْمُ "اِبْلِيْسَ" مِنْ اسْمِهٖ، فَغُيِّرَ "عَزَازِيْلُ"۔ اَلْعَيْنُ لِعُلُوِّ هِمَّتِهٖ، وَالزَّایُ لِازْدِيَادِ الزِّيَادَةِ فِيْ زِيَادَتِهٖ، وَالْاَلِفُ

ى

ازادهٗ فِى اُلفتِهٖ وَالزّاىُ الثّانية لزُهدِهٖ فِى رُتبَتِهٖ ، وَاليَاىُ حِيْنَ يلوِىْ اِلىٰ سهيقتِهٖ وَاللّامُ لِجادلَتِهٖ فِى بليّتِهٖ -

٢٧- قَالَ لَهٗ لا تَسجُدُ! يَاَيّهَا المَهِينُ ، قَالَ "مُحِبٌّ" وَالمُحِبُّ مَهِينٌ اِنّكَ تَقُولُ "مَهِينٌ" - وَانَا قرأتُ فِى كِتَابٍ مُّبِينٍ ، مَايجرِىْ عَلَىّ يَاذَا القُوّةِ المَتِيْنِ ، كَيفَ اذِلّ لَهٗ "وَقَدْ خَلَقتَنِىْ مِنْ نَارٍ وَخَلَقتَهٗ مِنْ طِيْنٍ". (الاعراف ٧: ١٢) وَهُمَا ضِدّانِ لَا يَتَوَافَقَانِ وَاِنّىْ فِى خِدمَتِهٖ اَقدَمُ ، وَفِى الفَضلِ اَعْظَمُ ، وَفِى العِلمِ اَعلَمُ وَفِى العُمرِ اَتمُّ -

٢٨- قَالَ لَهٗ الحَقُّ سُبحَانَهٗ "اَلاِختيَارُ لِىْ لَا لَكَ". قَالَ "اَلاِختيَارَاتُ كُلُّهَا وَاختيَارِىْ لَكَ". وَقَد اخترتَ لِىْ يَابَدِيعُ وَاِنْ مَنَعْتَنِىْ عَنْ سُجُوْدِهٖ فَاَنتَ المَنِيعُ ، وَاِن اَخطأتُ فِى المَقَالِ فَلَا تَهجُرنِىْ فَاَنتَ السَّمِيعُ ، وَاِنْ اَرَدتَّ اَنْ اَسجُدَ لَهٗ فَانَا المُطِيعُ لَا اَعرِفُ فِى العَارِفِيْنَ اَعرَفُ بِكَ مِنّىْ -

٢٩- لَا تَلُمْنِىْ فَاللَّومُ مِنّىْ بَعِيدٌ ۔۔۔ وَاَجِرْ سَيّدِىْ فَاِنّىْ وَحِيدٌ
اِنَّ فِى الوَعْدِ وَعْدَكَ الحَقّ حَقًّا ۔۔۔ اِنَّ فِى البَدْوِ بَدْوُ وَاَمرِىْ شَدِيدٌ
مَنْ اَرَادَ الكِتَابَ هٰذَا خِطَابِىْ ۔۔۔ فَاقرَؤُا وَاعلَمُوا بِاَنّىْ شَهِيدٌ

٣٠- يَا اَخِىْ ! سُمّىَ عَزَازِيلُ لِاَنّهٗ عُزِلَ وَكَانَ "مَعزُولًا" فِى وِلَايَتِهٖ ، مَارَجَعَ مِنْ بِدَايَتِهٖ اِلىٰ نِهَايَتِهٖ لِاَنّهٗ مَاخَرَجَ مِنْ نِهَايَتِهٖ -

٣١- خُرُوجُهٗ مَعكُوسٌ فِى اِستِقرَارِ تَأرِيسِهٖ مُشتَعِلٌ بِنَارِ تَعرِيسِهٖ وَنُوْرِ تَرويسِهٖ

۳۲ـ مَرَاضُهُ مخيلٌ مُمَمَّصٌ، مُغَابَصَهُ فَيِلٌ رَمِيصٌ، شراهمه برهمية ضَوَارِيَهُ مُحْبَلِيه عَمَايَاهُ فطهمية ـ

۳۳ـ يَاأخِى! لَوفَهِمتَ لَتَرَحَّمتَ الرَّضمَ رَضماً، وَتَوَهَّمتَ الوَهمَ وَهماً وَرَجعتَ غَماًّ وَفَنَيتَ هَماًّ ـ

۳۴ـ فُصَحَاءُ القَومِ عَن بَابِهِ خَرَسُوا، وَالعُرَفَاءُ عَجَزُوا عَن مَا دَرَسُوا هُوَالَّذِى كَانَ اَعلَمَهُم بِالسُّجُودِ، وَاَقرَبَهُم مِنَ المَوجُودِ وَاَبذَلَهُم لِلمَجهُودِ، وَاَوفَاهُم بِالعُهُودِ وَاَدنَاهُم مِنَ المَعبُودِ ـ

۳۵ـ سَجَدُوا لِاٰدَمَ عَلَى المُسَاعَدَةِ وَاِبلِيسُ جَحَدَ السُّجُودَ لِمُدَّتِهِ الطَّوِيلَةِ عَلَى المُشَاهَدَةِ ـ

۳۶ـ - - - - - - - - - - - - - -

باب السابع

طاسين المشيئة

١ــ اَلدَّائِرَةُ الْاُوْلىٰ مَشِيْئَتُهٗ وَالثَّانِيَةُ حِكْمَتُهٗ وَالثَّالِثَةُ قُدْرَتُهٗ وَالرَّابِعَةُ مَعْلُوْمَاتُهٗ وَاَزَلِيَّتُهٗ ـ

٢ــ قَالَ اِبْلِيْسُ "اِنْ دَخَلْتُ فِيْ الدَّائِرَةِ الْاُوْلىٰ اُبْتَلَيْتُ بِالثَّانِيَةِ وَاِنْ حَصَلْتُ فِي الثَّانِيَةِ اُبْتَلَيْتُ بِالثَّالِثَةِ، وَاِنْ قَنَعْتُ بِالثَّالِثَةِ اُبْتَلَيْتُ بِالرَّابِعَةِ" ـ

٣ــ فَلَا، وَلَا وَلَا وَلَا. فَبَقِيْتُ عَلَى الْاُوْلىٰ فَلُعِنْتُ اِلَى الثَّانِيْ وَطُرِحْتُ اِلَى الثَّالِثِ وَاَيْنَ مِنِّي الرَّابِعُ ـ

٤ــ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّ السُّجُوْدَ يُنَجِّيْنِيْ لَسَجَدْتُ وَلٰكِنْ قَدْ عَلِمْتُ اَنَّ وَرَاءَ تِلْكَ الدَّائِرَةِ دَوَائِرُ، فَقُلْتُ فِيْ خَالِيْ "هَبْ نَجَوْتُ مِنْ هٰذِهِ الدَّائِرَةِ كَيْفَ اَنْجُوْ مِنَ الثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ وَالرَّابِعَةِ؟

٥ــ وَالْاَلِفُ لِلْخَامِسِ "هُوَالْحَقُّ" ـ

باب الثامن

طاسين التوحيد

١ــ ــــــــــــــــــــ

٢ــ وَالْحَقُّ واحدٌ، احدٌ، وَحِيدٌ، موحدٌ ـ

٣ــ وَالْوَاحِدُ وَالتَّوْحِيدُ "فِى" وَ "عَنْ"

٤ــ ــــــــــــــــــــ

٥ــ عِلْمُ التَّوحِيدِ مفردٌ مجردٌ ـ

٦ــ اَلتَّوَحُّدُ، صِفَةُ الْمُوَحِّدِ لَا صِفَةُ الْمُوَحَّدِ ـ

٧ــ وَاِنْ قُلْتُ "اَنَا" قَالَ "انا"، فَلَكَ لاَ لَهُ ـ

٨ــ وَاِنْ قُلْتُ "رجوع التَّوحِيدِ اِلَى الْمُوَحَّدِ" ـ

٩ــ وَاِنْ قُلْتُ "توحيدٌ" كَيْفَ يَرْجِعُ الْمُوَحِّدُ اِلَى التَّوْحِيدِ ـ

١٠ــ وَاِنْ قُلْتُ "مِنَ الْمُحَدِّدِ اِلَى الْمُوَحَّدِ" فَقَدْ نَسَبْتَهُ اِلَى الْحَدِّ ـ

باب التاسع

طاسین الاسرار فی التوحید

١ــ اَلْاَسْرَارُ مِنْهُ فَازِغَةٌ، وَاِلَيْهِ نَازِغَةٌ، لِاَنَّهٗ وَازِغَه۔

٢ــ ضَمِيرُ التَّوْحِيدِ ضَمَائِرُهٗ لِاَنَّهٗ مُضْمَرٌ بَلْ ضَمِيرُ الْمُضْمَرِ "هَاءٌ" "هَاؤُهٗ" ـ

٣ــ اِنْ قُلْتُ "وَاه"، قَالُوْا "اٰه" ـ

٤ــ اَلْوَاوُ وَاَنْوَاعٌ وَالْاِشَارَةُ اِلَى الْمَنْقُوصِ لَا يَلُوْمُ۔

٥ــ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ (سورۂ صف، ٦١: ۴)
هِيَ حَدٌّ وَالْحَدُّ لَا يَسْتَثْنِي عَلَيْهِ اَحَدِيَّتُهٗ وَالْحَدُّ حَدٌّ، وَاَوْصَافُ الْحَدِّ اِلَى الْمَحْدُوْدِ، وَالْمُوَحِّدُ لَا يُحَدُّ۔

٦ــ اَلْحَقُّ مَاوٰى لِلْحَقِّ، لَا الْحَقُّ ـ

٧ــ مَا "قَالَ" التَّوْحِيْدُ، لِاَنَّ الْمَقَالَ وَالْحَقِيْقَةَ لَا تَتَّصِلَانِ لِلْخَلْقِ فَكَيْفَ تَتَّصِلُ الْمَقَالَةُ؟ ـ

٨ــــــــــــــــــ

٩ــــــــــــــــــ

١٠ــــــــــــــــــ

١١ــــــــــــــــــ

١٢ــــــــــــــــــ

١٣ــــــــــــــــــ

١٤ــــــــــــــــــ

بابُ العاشر

طاسین التنزیہ

۱ ـــــــــــــــــــــــ

۲ ـــــــــــــــــــــــ

۳ ـــــــــــــــــــــــ

٤ ـــــــــــــــــــــــ

۵ ـــــــــــــــــــــــ

۶ ـــــــــــــــــــــــ

۷ ـــــــــــــــــــــــ

۸ ـــــــــــــــــــــــ

۹ ـــــــــــــــــــــــ

۱۰ ـــــــــــــــــــــــ

۱۱ ـــــــــــــــــــــــ

۱۲ ـــــــــــــــــــــــ

۱۳ ـــــــــــــــــــــــ

۱٤ ـــــــــــــــــــــــ

۱۵ ـــــــــــــــــــــــ

۱۶ ـــــــــــــــــــــــ

۱۷ ـــــــــــــــــــــــ

۱۸ ـــــــــــــــــــــــ

۱۹ ـــــــــــــــــــــــ

۲۰ ـــــــــــــــــــــــ

۲۱ ـــــــــــــــــــــــ

۲۲ ـــــــــــــــــــــــ

۲۳ ـــــــــــــــــــــــ

۲٤ ـــــــــــــــــــــــ

باب الحادى عشر

بستان المعرفة

١ــ قَالَ الْعَالِمُ السَّيِّدُ الْغَرِيبُ ابُوعمَارَةِ الْحُسَيْنُ بنْ مَنصُورِ الْحَلَّاجُ قَدَّسَ اللهُ رُوحَهُ :

اَلْمَعْرِفَةُ فِي ضِمْنِ النَّكِرَةِ مَخْفِيَّةٌ، وَالنَّكِرَةُ فِي ضِمْنِ الْمَعْرِفَةِ مَخْفِيَّةٌ. اَلنَّكِرَةُ صِفَةُ العَارِفِ وَحِلْيَتُهُ وَالْجَهلُ صُورَةٌ، فَصُورَةُ الْمَعْرِفَةِ عَنِ الْأَفْهَامِ غَائِبَةٌ آبِيَةٌ كَيْفَ عَرَفَهُ وَلَا كَيْفَ، "اينَ" عَرَفَهُ وَلَا "اينَ" كَيْفَ وَصَلَ وَلَا وَصَلَ كَيْفَ انْفَصَلَ وَلَا فَصَلَ، مَا صَحَّتِ الْمَعْرِفَةُ لِمَحْدُودٍ قَطُّ، وَلَا لِمَعْدُودٍ، وَلَا لِمَجْهُودٍ، وَلَا لِمَكْدُودٍ.

٢ــ اَلْمَعْرِفَةُ وَرَاءُ الْوَرَاءِ، وَوَرَاءُ الْمَدَى، وَوَرَاءُ الْهِمَّةِ، وَوَرَاءَ الْأَسْرَارِ وَوَرَاءُ الْأَخْبَارِ، وَوَرَاءُ الْإِدْرَاكِ. هٰذِهِ كُلُّهَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ فَكَانَ وَالَّذِي لَمْ يَكُنْ ثُمَّ كَانَ لَا يَحْصُلُ اِلَّا فِي مَكَانٍ، وَالَّذِي لَمْ يَزَلْ كَانَ قَبْلَ الْجِهَاتِ وَالْعِلَّاتِ وَالْآلَاتِ، كَيْفَ تَضَمَّنَتْهُ الْجِهَاتُ، وَكَيْفَ تَلْحَقُهُ النِّهَايَاتُ.

٣ــ وَمَنْ قَالَ "عَرَفْتُهُ بِفَقْدِي"، فَالْمَفْقُودُ كَيْفَ يَعْرِفُ الْمَوْجُودَ؟

٤ــ وَمَنْ قَالَ "عَرَفْتُهُ بِوُجُودِي" فَعَدِيمَانِ لَا يَكُونَانِ.

٥ــ وَمَنْ قَالَ "عَرَفْتُهُ بِجَهْلِهِ"، وَالْجَهْلُ حِجَابٌ، وَالْمَعْرِفَةُ

وَرَاءَ الحِجَابِ لَاحَقِيقَةَ لَهَا ـ

٦ ـ وَمَنْ قَالَ "عَرَفْتُهُ بِالاِسْمِ" فَالاِسْمُ لَا يُفَارِقُ المُسَمَّى لِاَنَّهُ لَيْسَ بِمَخْلُوقٍ ـ

٧ ـ وَمَنْ قَالَ "عَرَفْتُهُ بِهِ" فَقَدْ اَشَارَ اِلَى المَعْرُوفَيْنِ ـ

٨ ـ وَمَنْ قَالَ "عَرَفْتُهُ بِصُنْعِهِ" فَقَدِ اكْتَفَى بِالصُّنْعِ دُوْنَ الصَّانِعِ

٩ ـ وَمَنْ قَالَ "عَرَفْتُهُ بِالعِجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهِ" فَالعَاجِزُ مُنْقَطِعٌ وَالمُنْقَطِعُ كَيْفَ يُدْرِكُ المَعْرُوْفَ ـ

١٠ ـ وَمَنْ قَالَ "كَمَا عَرَّفَنِي عَرَفْتُهُ" فَقَدْ اَشَارَ اِلَى العِلْمِ، فَرَجَعَ اِلَى المَعْلُوْمِ، وَالمَعْلُوْمُ يُفَارِقُ الذَّاتَ وَمَنْ فَارَقَ الذَّاتَ كَيْفَ يُدْرِكُ الذَّاتَ ـ

١١ ـ وَمَنْ قَالَ "عَرَفْتُهُ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ" فَقَدْ قَنِعَ بِالخَبَرِ دُوْنَ الاَثَرِ ـ

١٢ ـ وَمَنْ قَالَ "عَرَفْتُهُ عَلَى حَدَّيْنِ" فَالمَعْرُوْفُ شَيْءٌ وَاحِدٌ لَا يَتَجَزَّىٔ وَلَا يَتَبَعَّضُ ـ

١٣ ـ وَمَنْ قَالَ "المَعْرُوْفُ عَرَفَ نَفْسَهُ" فَقَدْ اَقَرَّ بِاَنَّ العَارِفَ فِي البَيْنِ، مُتَكَلِّفٌ بِهِ، لِاَنَّ المَعْرُوفَ لَمْ يَزَلْ كَانَ عَارِفاً بِنَفْسِهِ ـ

١٤ ـ يَا عَجَباً مِمَّنْ لَا يَعْرِفُ شَعْرَةً مِنْ بَدَنِهِ كَيْفَ تَنْبُتُ سَوْدَاءُ اَمْ بَيْضَاءُ، كَيْفَ مُكَوِّنُ الاَشْيَاءِ، مَنْ لَا يَعْرِفُ المُجْمَلَ وَالمُفَصَّلَ، وَلَا يَعْرِفُ الاٰخِرَ وَالاَوَّلَ، وَالتَّصَارِيْفَ وَالعِلَلَ، وَالحَقَائِقَ وَالحِيَلَ، لَا تَصِحُّ لَهُ مَعْرِفَةٌ، مَنْ لَمْ يَزَلْ ـ

١٥ــ سُبْحَانَ مَنْ حَجَبَهُمْ بِالْاِسْمِ وَالرَّسْمِ وَالْوَسْمِ، حَجَبَهُمْ بِالْقَالِ وَالْحَالِ وَالْكَمَالِ وَالْجَمَالِ عَنِ الَّذِي لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ. اَلْقَلْبُ مُضْغَةٌ جَوْفَانِيَّةٌ، فَالْمَعْرِفَةُ لَا تَسْتَقِرُّ فِيهَا لِأَنَّهَا رَبَّانِيَّةٌ.

١٦ــ لِلْفَهْمِ طُولٌ وَعَرْضٌ، وَلِلطَّاعَاتِ سُنَنٌ وَفَرْضٌ، وَالْخَلْقُ كُلُّهُمْ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

١٧ــ وَلَيْسَ لِلْمَعْرِفَةِ طُولٌ وَلَا عَرْضٌ، وَلَا تَسْكُنُ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَا تَسْتَقِرُّ فِي الظَّوَاهِرِ وَالْبَوَاطِنِ، مِثْلُ السُّنَنِ وَالْفَرْضِ.

١٨ــ وَمَنْ قَالَ "عَرَفْتُهُ بِالْحَقِيقَةِ" فَقَدْ جَعَلَ وُجُودَهُ أَعْظَمَ مِنْ وُجُودِ الْمَعْرُوفِ لِأَنَّ مَنْ عَرَفَ شَيْئًا بِالْحَقِيقَةِ فَقَدْ صَارَ أَقْوَى مِنْ مَعْرُوفِهِ حِينَ عَرَفَهُ. عَرَفَهُ

١٩ــ يَاهٰذَا مَا فِي الْكَوْنِ أَقَلُّ مِنَ الذَّرَّةِ وَأَنْتَ لَا تُدْرِكُهَا. فَمَنْ لَا يَعْرِفُ الذَّرَّةَ كَيْفَ يَعْرِفُ مَاهُوَ أَدَقُّ مِنْهَا بِتَحْقِيقٍ، فَالْعَارِفُ "مَنْ رَأَى" وَالْمَعْرِفَةُ "بِسَنْ بَقَى" فَالْمَعْرِفَةُ ثَابِتَةٌ مِنْ جِهَةِ النَّصِّ، وَفِيهَا شَيْءٌ مَخْصُوصٌ مِثْلُ دَائِرَةِ الْعَيْنِ الْمَشْقُوقِ.

٢٠ــ وَمِنْ جَانِبِ الْمُتَلَاشِيْ وَالْمَسْدُودِ مِنْ جَانِبِ الْعِلْمِ الذَّاتِيْ، عَيْنُهَا غَائِبَةٌ فِي مِيمِهَا بِالْهُوِيَّةِ مِنْهَا مُنْقَطِعَةٌ، مُنْفَصِلَةٌ لِلْخَوَاطِرِ عَنْهَا، لَاهِيَةٌ، شَاهِيَةٌ، رَاغِبُهَا، رَاهِبُهَا، رَاهِبُهَا غَارِبُهَا غَارِبُهَا شَارِقُهَا، (غَارِبُ) غَارِبُهَا شَارِقٌ، مَالَهَا فَوْقَ عَالٍ فَلَا لَهَا تَحْتَ دَانٍ.

٢١ــ اَلْمَعْرِفَةُ عَنِ الْمُكَوَّنَاتِ بَائِنَةٌ، مَعَ الدَّيْمُومَةِ دَائِمَةٌ

طُرُقُهَا مَسْدُودَةٌ مَاالَيْهَا سَبِيلٌ، مَعَانِيهَا مُبَيَّنَةٌ مَا عَلَيْهَا دَلِيلٌ، لَا تُدْرِكُهَا الْحَوَاسُّ وَلَا يُلْحِقُهَا اَوصَافُ النَّاسِ ـ

٢٢ صَاحِبُهَا وَاحِدٌ، مَارِسُهَا لَاحِدٌ، وَارِقُهَا رَامِدٌ، لَاصِقُهَا فَاقِدٌ بَارِقُهَا مَاكِدٌ، تَارِقُهَا شَاكِدٌ، مَارِقُهَا لَاقِدٌ، صَارِعُهَا خَامِدٌ خَائِفُهَا زَاهِدٌ، لَاعِدُهَا رَاصِدٌ، اَطْنَابُهَا اَرْبَابُهَا اَسْبَابُهَا ـ

٢٣ كَاَنَّهَا كَاَنَّهَا كَاَنَّهَا، كَاَنَّهُ كَاَنَّهُ كَاَنَّهُ كَاَنَّهُ، كَاَنَّهَا كَاَنَّهَا، كَاَنَّهُ كَاَنَّهُ، كَاَنَّهُ كَاَنَّهَا، كَاَنَّهُ كَاَنَّهُ، كَاَنَّهَا كَاَنَّهَا، بُنْيَانُهَا اَرْكَانُهَا وَاَرْكَانُهَا بُنْيَانُهَا، اَصْحَابُهَا اَصْحَابُهَا لَهَابِهَا، لَاهِيَ هُوَ، وَلَاهُوَهِيَ، وَلَاهُوَاِلَّاهِيَ وَلَاهِيَ اِلَّاهُوَ، لَاهِيَ اِلَّاهُوَ، وَلَا هُوَ اِلَّا هُوَ ـ

٢٤ فَالْعَارِفُ "مَنْ رَاى" وَالْمَعْرِفَةُ "بِمَنْ بَقِى"، اَلْعَارِفُ مَعَ عِرْفَانِهِ لِاَنَّهُ عِرْفَانُهُ، وَعِرْفَانُهُ هُوَ، وَالْمَعْرِفَةُ وَرَاءَ ذٰلِكَ وَالْمَعْرُوفُ وَرَاءَ ذٰلِكَ ـ

٢٥ بَقِيَّةُ الْقِصَّةِ مَعَ الْقُصَّاصِ، وَالْمَعْرِفَةُ مَعَ الْخَوَاصِّ، وَالْكُلْفَةُ مَعَ الْاَشْخَاصِ، وَالنُّطْقُ مَعَ اَهْلِ الْوَسْوَاسِ، وَالْفِكْرَةُ مَعَ اَهْلِ الْاَيَاسِ وَالْغَفْلَةُ مَعَ اَهْلِ الْاِسْتِيحَاشِ ـ

٢٦ وَالْحَقُّ حَقٌّ، وَالْخَلْقُ خَلْقٌ، وَلَا بَاسَ ـ

باب یکم

طاسین السراج

۱ــ سراجی بود از غیب پیدا شد، هم باز انجا شُد، بهم سرجها متجاوز شد، قمرش سید شد ـ از میان اقمار تجلی کرد ـ کوکب بود، برجش فلک اهتزاز بود، حق اُو را اُمّی خواند جمع همتش را ـ وحرمی خواند عظم نعمتش را، مکّی خواند تمکنش را در قرب خود ـ

۲ــ شرح صدرش کرد، ورفع قدرش کرد و وضع وزرش کرد، اَلَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ امرش واجب کرد ـ بدرش از غمامهٔ یمامه بیرون آورد ـ آفتابش از جانب تهامه شرق بزد، نورش از معدن کرامت برق زد ـ

۳ــ - - - - - - - - - - - - - - - - -

۵ــ هیچ عارف اُورا نشاخت اِلّا که بروصفِ او جاہل شد از وصف او پیدا نه کرد چه الا که حق برکشف آں متولّی شد ـ قال اللہ تعالیٰ : اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ (قرآن ۲ : ۱۴۱) ـ

۶ــ انوارِ نُبوّت از نورِ او پیدا شد دانوارِ اُو از نور غیب ظاہر شد ـ

۷ــ همتش بر ہمه همت ہا سبق بُرد، وجودش برعدم سبق برد و اسمش برقلم سبق برد نامش احمد ونعتش محمدؐ، ذاتش اَجود و صفاتش امجد و همتش افرد ـ

۸ــ پیش از حوادث و کواین مشهوُر بود وقبل از قبل وبعد از بعد وجواہر والوان مذکور بُود ـ

۹ــ باشارت اُو چشم ہا روشن شد، وبدو اسرار وضمائر شناختند ـ او هم دلیل بود وہم مدلول باکلام قدیم آمد نه محدث ونه مفعوُل ـ از نہایت بایں بود واز نہایت نہایت ـ

۱۰ــ غمام را برداشت واشارت به بیت حرام کرد ـ

۱۱ — بالای سرش غمامه بود. برق زد تحت قدمش لمعات روشن کرد و بیارانید و ثمره داد ابرش، علومها قطرهٔ بحر اوست و حکمت ها غرفهٔ نهر او و زمانها ساعتِ دهرِ اوست.

۱۲ — حق باو و حقیقت با او و صدق و رفق با او. اول ست در وصلت و آخرست در نبوت. باطن ست در حقیقت و ظاهرست به معرفت.

۱۳ — نرسید به علمش هیچ عالِم، و مطلع نشد بفهمش هیچ حاکم.

۱۴ — حقش به کس نبرد زیرا که او او بود، و چون او بود و او او بود.

۱۵ — هیچ خارج از میم «محمد» بیرون نرفت و هیچ داخل در حاء «محمد» نرفت. حاءش میم ثانی ست، دالش میم اولست. دالهٔ دوام عزه، میمش محل ست نزد حق، حاءش حالتست، حالِ او میم ثانی ست.

۱۶ — مقال او ظاهر است، اعلام او پیداست، برهانِ او شایع ست. فرقان بدو آمد. زبانش ناطق کرد. جانش روشن کرد. اقرانِ او از او عاجز آمدند. تبیانش ثابت کرد، شانش بزرگ کرد.

۱۷ — میدانش فراخ کرد، کجاست راه بی دلیل او.

باب دوم

طاسین الفہم

۱ — افہامِ خلائق بر حقیقت متعلّق نیست، و حقیقت بر خلیقت متعلّق نیست. خواطر علائق ست و علائقِ خلائق در حقائق نرسد. ادراکِ علم حقیقت صعب ست. فکیف الی حقیقة الحقیقة. و حق حق درای حقیقت ست۔

۲ — فراش گرد مصباح گردد تا صباح. آنگه عود کند باشکال خبر دہد از حال به لطف مقال آنگه کیا میز باد لال، طمع در وصول و کمال۔ با دلال،

۳ — ضوءِ مصباح علم حقیقت ست و صول بر آں حقیقتِ حقیقت ست. حرارتش حقیقتِ حقیقت ست۔

۴ — راضی نشد به ضوء و حرارت، فراش تا خود را دراں نه انداخت. اشکال اُو را انتظار کردند تا ایشاں را از نظر خبر دہد، چوں راضی نشد از نظر به خبر، جبد سش متلاشی شد. متصاغر متطائر، بماند بی رسم و جسم و اسم و سم. پس بکدام معنی با اشکال آمدی و بکدام حال بار گردیدی۔ ہر کہ بنظر رسید از خبر مستغنی نشد و ہر کہ بمنظور رسید از نظر مستغنی شد۔

۵ — ایں معنی درست نشد تا تمام فانی را که طلب امانی کند، چوں من، چوں من چوں او، چوں او از من، او از من نترساند مرا چوں من باشم۔

۶ — ای خداوند ظن! ظن مبر که من منم اکنوں یا باشم یا بوذم مگر آں عارف، حلبدم، و ایں حال نسست باک نیست اگر اُو را باشم لیکن من نه ادم۔

۷ — ای نفس بداں که صحّت ایں معانی ہیچ کس را مُسلّم نیست جُز احمد صلوات اللہ علیہ و آلہٖ و سلامُہٗ "ماکان محمد ابا احد" چوں تجاوز کرد از کونین و غائب شد از

ثقلین و چشم برہم نہاد از بین، تا نماند رَین وَبین ۔

۸ ۔ "فکان قاب قوسین او ادنٰی"۔ چوں بہ مفاوزِ علم حقیقت رسید، خبر از سواد خود داد، ہر کہ بحق حقیقت رسد کہ مُراد گوید، استسلام کند جَواد را، چوں بحق رسد باز آید چنیں گفت: "سجد لك سوادی وأمن بك فؤادی"۔ چوں بغایت غایات برسید قال: "لا احصی ثناء علیك"۔ چوں بحقیقت حقیقت رسید گفت: "انت کما اثنیت علی نفسك"۔ از ہوا بہ بُرید بہ مُراد رسید، "ماکذب الفؤاد مارای"۔ عند سدرة المنتہٰی، بہ یمین و یسار ننگرست بحقیقت، و در حقیقت خود ننگرست، مازاغ البصر وما طغٰی ۔

باب سوم

طاسین الصفا

۱ــ حقیقت واقع است، طرقش مضیق است، دراں نیران شہیق است، نزد آں مفارقہ عمیق است، غریب راہ کند آنجا از راہ بریدن مقامات اربعین خبر دہد مثل مقام ادب، ورهب، ونصب، وطلب، وطرب وعجب، وعطب، وشره، ونزه، وصفا، صدق ورفق وعتق وتصریح وترویح وتمیز وشہود و وجود وعد وکد ورد وامتداد واعتداد وانفراد وانقیاد و مراد وحضور وریاضت وحیاطت وانتقاد واصطلاد وتدبّر وتحیّر وتفکر وتصبّر وتعبّر ورفض ونقض ورعایت وهدایت وبدایت، ایں مقامات اهل صفا وصفوت ست ۔

۲ــ هر مقامی را علومیست بعضی مفہوم، بعضی مفہوم نیست ۔

۳ــ بعد ازیں در مفاوز روند وآنگہ حائر شوند از اہل وہل وجبل وسہل نگذرند ۔

۴ــ "فلما قضی موسی الاجل" چوں حقیقت را اهل شد باز آں همه راضی شد بہ خبر دُوں از نظر، تا فرقی باشد میان مهتر وکهتر، قال "لعلی اتیکم منها بخبر" ۔

۵ــ چوں مهتدی بہ خبر قانع شد، چوں راضی نہ شود مقتدی بہ اثر ۔

۶ــ قال من الشجرة من جانب الطور، از شجر نشنید لیکن از حق شنید ۔

۷ــ حلاج گفت : مثل من مثل آں شجر است ۔

۸ــ حقیقت، حقیقت ست وخلقیت، خلیقت ست، تو خلیقت را بگذار تا تو اُو باشی، و اُو تو باشد من حیث الحقیقة ۔

۹— زیرا اگر من وصف ام وو صف وصف واصف ست بحقیقت، پس واصف چوں باشد!۔

۱۰— حق او را گوید " تو راهنمائی بر دلیل نه به مدلول " اول من دلیل دلیلم۔ آنچه گفت۔

۱۱— که حق مرا جائی حقیقت کرد، بعهد و عقد وثیقه، شاهد من سر است بی ضمیر منٔ این سرِ من ست ورائی طریقیت۔

۱۲— گفت، حق با من گفت از جنان من، علم من بزبانِ من، مرا نزدیک کرد بخود بعد از بُعد من، خاص گردانید مرا و برگزیده را۔

باب چہارم

طاسین الدائرہ

۱ — دائرہ برائی آنست کہ بداں تواں رسید یعنی اول کہ سر دائرہ است مثل ب ثانی باب دیگر است کہ در دائرہ است، مثل ب آں بابیست کہ آں رسید وراہ آں گم کند، سوم مفاوز حقیقت است یعنی آں باب کہ ہم چوں با است مقابل ایں دو باب و در زیر دائرۂ ثانی۔

۲ — ھیہات کہ در دائرہ ردو چوں در بستہ است، وطالب مردود است، نقطۂ فوقانی ہمت اوست، آں نقطہ خواہد کہ بر یسار دائرہ است، نزدیک دائرہ نقطۂ تحتانی رجوع اوست بہ اصل خود، آں نقطہ خواہد کہ در دائرہ است بجانب یمین۔ نقطہ وسطانی تحیر اوست، بوسطانی آں نقطہ خواہد کہ در دائرہ است بجانب یسار۔

۳ — دائرہ را در نیست یعنی دائرہ کہ در وسط دائرہ ثانی است کوچک، نقطہ کہ در وسط دائرہ است آں حقیقت است۔

۴ — معنی حقیقت حیرت است کہ ظواھر و بواطن از و غائب نیست، اشکال قبول نہ کند

۵ — اگر فہم اشارت ما می خواہی۔ "فخذ اربعة من الطير فصرهن اليك" لان الحق لا يطير۔

۶ — غیرتش حاضر کند او را بعد از غیبت ہیبتش آں خلیقت را منع کند۔ حیرتش او را سلب کند۔

۷ — ایں معانی حقیقت ست، "دقیق تر ازیں دائرہ معادن است و ما فورہ قواطن"۔ ازیں دقیق تر فہم است باخفاء وھم۔

۸ این از حق دائره نه از ورائی دائره ـ

۹ علم حقیقت ندانست زیراکه عاجز می بُود، علم طلب است و دائره حرم است ـ

۱۰ از برای این حقش "حرمی" خواند که از دائره حرم جُز اُو بیرون نیامد ـ

۱۱ ترسنده داداه بود به لباس حقیقت بیرون آمد، خلیقت را آوه زد ـ

باب پنجم

طاسین النقطه

۱ــ ازاں دقیق تر نقطه است که اُو اصل است، زیادت و نقصان نشود، فنا بدو راه نداند۔

۲ــ منکر بماند در دائره برانی منکر شود حال مرا نه بیند، بزندقه مرا مُسمّٰی کُند، تیر بدی در من اندازد۔ فریاد کُند آنگه که شان من بیند در دائره حرم که ورای ورا است فریاد کُند۔

۳ــ صاحب دائرۂ ثانی ظن برد که من عالمی ربّانی ام۔

۴ــ آنکه رسید به دائره ثالث، پندارد که من درامانی ام۔

۵ــ آنکه به دائره حقیقت رسد فراموش کُند و غائب شود از عیانِ من۔

۶ــ "کلا لا وزر الی ربك یومئذن المستقر، ینبؤ الانسان یومئذ بما قدم واخر"۔

۷ــ در خبر گریخت، و در وزر گریخت، از شر ربتر رسید غرّه شُد۔

۸ــ مُرغی از مُرغان تصوُّف دیدم که با جناح تصوف می پرید و بر من انکار کرد چواز پریدن بازماند

۹ــ از من صفا پُرسید، گفتم که جناحت را به مقراض فنا بِبُر و اگر نه با من مپر۔

۱۰ــ مُرغ تصوُّف گفت که به جناج خود نزد دوست خود می پرم، گفتم ویحك لیس کمثله شیء۔ آنگه در بحرِ فهم افتاد و غرق شُد۔

۱۱ــ صُورت فہم را در دائره، و دائره اِنیست۔

۱۲ــ نقطه اوّل از دائره افکار فہم است، یکی ازاں حق است و دیگرِ آں باطل۔

۱۳ــ "دنا" سموا "فتدلی" علوا، دنا طلبا فتدلی طربا. من

قبلہ نای ومن ربہ دنا ۔ غائب شُد، چوں بدیدہ غائب نہ شُد چوں حاضر شد حاضر نشُد۔ چوں نگاہ کرد چوں بنگریست ۔

۱۴۔ بدید بنمودندش، حیار کروندشش شہُود بُود، شاہد شد، واصل شُد، آگاہ وصل شد بہ مُراد رسید از فوا باز ماند۔ "ماکذب الفؤاد مارای" ۔

۱۵۔ پنہانش کرد، آنگہش نزدیک کرد، براد اُورا مُراد برگزیدشش، مداواۃ کردش، بپروردش صافی کردش، برگزیدشش، بخواندش نداکردش ۔

۱۶۔ فکان قاب حین ا فاصاب، ودعی فاجاب وابصر فغاب وشیب فطاب، بخورد قُربت گشت، مہابت گرفت۔ ازاکوان و یاران فراغت گرفت از اسرار و ابصار بدر رفت، آثار بگذاشت ۔

۱۷۔ "ما ضل صاحبکم" علّت نہ گرفت بنہ شست چوں پیدا شُد گمراہ نہ شد درکان کان ۔

۱۸۔ صاحب شما در مشاہدۂ ما گمراہ نشُد و در مضافاتِ ما در سالتِ ما نمادی، نہ نگشت و طاغی نشد از ما بغیر ما در معاملت ما مثل نہ کرد گمراہ نہ شد در نسیان ذکر ما وی نشد در جولانِ فکر

۱۹۔ بلکہ در انفاس و لحظات ذاکر بود و در بلا صابر و در عطا شاکر ۔

۲۰۔ "ان ھو الا وحي یوحی" (اونکورا بہ نوزرے)

۲۱۔ ....

۲۲۔ ....

۲۳۔ "کان قاب قوسین" میان دو قوس "این" بُود "این" را بہ سہم "بین" انداخت آنگہ قوسین را ثابت کرد تا بَین صحیح کرد، تا بر و غالب شود مین ۔

۲۴۔ ....

۲۵— نظری ببردم که فهم کلام ماجز آنکس که بقوس ثانی رسید، قوس ثانی ودرن لوح است ـ

۲۶— صاحب قوس ثانی را حروفی چند هست، نه این حرفها عربی و عجمی ـ

۲۷— آن یک حرف واحد است وآن میم است ـ آن حرف میم "ما اوحی" خواهد ـ

۲۸— میم اسم آخر است یعنی اسم قوس ثانی وآن ملک ملکوت است ـ

۲۹— واسم دیگر زه قوس اول است یعنی ملک قوس ثانی وآن ملکوت است، وآن زه قوس اول است وآن فعل جبروت است ـ قوس اول ملک فعل جبروت است، قوس ثانی ملک ملکوت، وملک صفات زه هردو قوس است وملک ذات، تجلی خاص که سهم قدم است، سهم قوسین است ـ

۳۰— ----------------

۳۱— صنعت کلام در معنی ذوجد معنی است بحقیقت حق ـ

۳۲— حقائق وحق حقائق در دقیقه آن دق دقائق است، از شواهق سایق، بوصف تریاق تایق بروئیت قطع علائق، در نمارق صفایق، بالقاء بوائق به تبیین دقائق به لفظ خلاص از سبل خاص از آنجا که اشخاص است از دو که معنی معرض عریض است بافهم کند معنوی آنکه راه رفت سبل مرعوی را، از مردی النبوی ـ

۳۳— صاحب یثرب صلوات الله علیه آنکس که شان او افضل شانهاست مصئون ومصون است در کتاب مکنون، منظور مسطور از منطق طیور ـ

۳۴— که فهم کن اگر فهم می کنی، ای غابن که مولی خطاب نکند الا بر اهل، یا از اهل به اهل اهل، یا با اهل اهل اهل ـ

۳۵— صاحب این معنی را استاذ نباشد ونه تلمیذ ونه اختیار ونه تمیز ونه تنبیه وتمویه ونه برد ونه ازد بلکه در دو آنی در بود ودر ونه درد و بیابان نحو بیابان ـ

۳۶— دعاوی معانی ومعانی امانی امیدش دور است ـ طریقش صعب است ـ اسمش مجید است رسمش فرید است معرفتش نکره است، نکره اش حقیقت است، کناهش ونه قدمت ...

رسمش طریقت است، رسمش سوختن است، نحوست صفتش است۔

۳۷ــ ناموس نعت اوست، شموس میدان اوست و شان اوست، نفوس ایوان اوست شیطان عالمش یا نوس حیوان اوست، ناسوت سر اوست، طموس شان اوست، مدروس عیان اوست، عروس بستان اوست، طموس بنیان اوست۔

۳۸ــ اربابش مهربانی است، ارکانش مرهبی است۔

۳۹ــ اوراقش مشربی است، اردانش مشربی است، مقالتش رکن حالتست، این عابر وادردن او غضب است، وادر احسب است۔

باب ششم

طاسین الازل والالتباس

۱— فی فهم الفهم فی صحت الدعاوی بعکس المعانی - این دعوی کس را مسلّم نہ شُد الّا احمد صلواةُ اللہ علیہ وآلہ و ابلیس - و ابلیس از عین در افتاد، احمد را علیہ السلام عین کشف کردند -

۲— احمد را گفتند "بنگر" و ابلیس را گفت "سُجُود کُن" ابلیس سجود نہ کرد و احمد ننگریست یمین و شمال را التفات نکرد، "ما زاغ البصر وما طغیٰ" -

۳— ابلیس دعویٰ کرد و از حول وقوة خود بیرون نیامد -

۴— احمد دعویٰ کرد و از حول وقوة خود بیرون آمد -

۵— محمدؐ گفت: "بك احول وبك اصول"؛ وقال "یامقلب القلوب" وقال "لا احصی ثناء علیك" -

۶— در آسمان عابدی و موحّدی چون ابلیس نبوُد -

۷— ولیکن عین بر وی بیاشفتند و از لحوظ والحاظ در سرّ هجراں کرد و معبُود را بہ تجرید پرستش کرد

۸— لعنتش کردند چوں برسید تفرید، براندندش از در چوں طلب فردانیت کرد -

۹— چوں گفتند: "اُسجد" گفت: "لا غیر" گفت: "وان علیك لعنتی الی یوم الدین"؟ گفت: "لا غیر" -

۱۰— جحودی فیك تقدیس　　وعقلی فیك تهوّیس

وما آدم الاک　　ومن فی البین ابلیس

۱۱— در بحر کبریا اُفتاد، نابینا شُد گفت "مرا راه نیست بغیر تو، کہ من مُحبّیِ ذلیل ام"

گفتندش "تکبّر میکنی" گفت "اگر لحظہ با تو بودمی، تکبّر در من لائق بُود، فکیف دهرها تو بریده ام

از من نه عزیزترست نه بزرگوارتر، چوں اوّل ترا شناخته ام در ازل "من ازو بهترم" که خدمت من قدیم تراست۔ در کون عارف ترا زمن بر تو کس نیست، از تو در من ارادتیست که ارادهٔ تو در من سابق است و ارادت من فرو تو سابق، من چوں غیر ترا سجود کنم، چوں سجود نه کنم لابدّ باشد مرا که باصل خود رجوع کنم "خَلَقْتَنِی مِنْ النَّارِ" (قرآن ۷: ۱۱)۔ نار باز نار شود۔ آنچه تقدیر و اختیار تراست ہ

۱۲۔ فَمَالِی بُعْدٌ بَعْدَ بُعْدِكَ بَعْدَمَا تَیَقَّنْتُ اَنَّ الْقُرْبَ وَالْبُعْدَ وَاحِدٌ
وَاِنِّیْ وَاِنْ اُهْجِرْتُ فَالْهَجْرُ صَاحِبِیْ وَكَیْفَ یَصِحُّ الْهَجْرُ وَالْحُبُّ وَاحِدٌ
لَكَ الْحَمْدُ فِی التَّوْفِیْقِ فِیْ مَحْضِ خَالِصٍ لِعَبْدٍ زَكِیٍّ مَّا لِغَیْرِكَ سَاجِدٌ

۱۳۔ موسٰی صلوات الله علیه با ابلیس در عقبه طور بهم رسیدند، موسٰی گفت: "چه منع کرد ترا از سجود؟" گفت "دعوٰی من به معبود واحد۔ و اگر سجده کردمی آدم را مثالِ تو بودمی، زیراکه ترا نداء کردند یکبار گفتند "اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ"۔ بنگریدی، و مرا نداء کردند هزار بار که "اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ" سجود نه کردم دعوی من معنی مرا۔

۱۴۔ گفت "امر بگذاشتی" گفت "آں ابتلا بود نه امر" موسٰی گفت "لاجرم صورتت بگردید" گفت "اے موسٰی آں تلبیس بود و ایں ابلیس است حال را معوّل براں نیست زیراکه بگردد و لیکن معرفت صحیح است چنانکه بود نه گردید و اگرچه شخص بگردید"۔

۱۵۔ موسٰی گفت "اکنوں یاد کنی اُو را"۔ گفت اے موسٰی یاد کنندن ندکورم و اُو ندکوراست۔ ذِكْرُهٗ ذِكْرِیْ وَذِكْرِیْ ذِكْرُهٗ، هَلْ یَكُوْنَ الذَّاكِرُوْنَ اِلَّا مَعًا؟۔ خدمت من اکنوں صافی تراست، وقت من اکنوں خوشتر است، ذکر من اکنوں جلیل ترست، زیراکه من اُو را خدمت کردم در قدم حظِّ مرا، و اکنوں خدمت کنم اُو را حظِّ اُو را۔

۱۶۔ طمع از میانه برداشتم منع و دفع و ضر و نفع برخاست، تنها (فردم) گردانید

چوں براند مرا تا با دیگراں نیامیزم ۔ منع کرد مرا از اغیار غیرت مرا، متغیّر کرد مرا حیرت مرا، حیران کرد مرا غربت مرا۔ غریب گردانید مرا خدمت مرا۔ حرام کرد مرا صُحبت مرا زشت گردانید مرا مدح مرا۔ دور کرد مرا هجرت مرا، مهجور کرد مرا مکاشفت مرا کشف کرد مرا وصلت مرا، رسانید مرا قطع مرا۔ منقطع کرد مرا منع مُنیت مرا۔

۱۷ــ در حق او خطا در تدبیر نه کردم، تدبیر رد نکردم، (مبالات) بتغیّر صُورت نه کردم. اگر ابر الآباد بآتش مرا عذاب کند، دون او سجده نه کنم و شخصی را ذلیل نه شوم، ضدا و نه شناسم دعوی من دعوی صادقانست، و من از محبّانِ صادقم۔

۱۸ــ داعی ملائکه بود، در زمین داعیٔ انس و جنّ۔ ایشانرا مستحسنات نموده، و اینهارا مستقبحات، در آسمان معلم ملائکه بود بطاعات ۔

۱۹ــ - - - - - - - - - - - -

۲۰ــ حسین در شطح گوید (لیناظلت) با فرعون و ابلیس کردم در باب فتوت ۔ ابلیس گفت اگر سجود کردمی آدم را اسم فتوّت از من بیفتادی ۔ فرعون گفت که اگر ایمان برسول او آوردمی اسم فتوت از من بیفتادی ۔

۲۱ــ من گفتم که "اگر از دعوی خویش رجوع کنم، دعوی من از بساط فتوت بیفتادی"۔

۲۲ــ ابلیس گفت که "من بهترم" دراں وقت که غیر خویش غیر ندید۔ فرعون گفت مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ ۔ چوں نشناخت در قوم خود ممیّزی میانِ حق و میانِ خلق ۔

۲۳ــ من گفتم که اگر نمی شناسید، اثرش بشناسید، 'من' آں اثرم، 'انا الحق' پیوسته بحق حق بودم ۔

۲۴ــ صاحب من و استاذ من ابلیس و فرعون است ۔ بآتش بترسانید ند ابلیس را از دعوی باز نه گشت ۔ فرعون را بدریا غرق کردند و از دعوی باز نه گشت و بوسایط مقر

نه شد، لیکن گفت : اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ (قرآن، ۱۰ : ۹۰) و نه بینی که الله سبحانه و تعالی معارضه با جبریل کرد در شانِ او؟ - گفت چرا دهانش بر رمل کردی؟ -

۲۵ــ و مرا اگر بکشند و یا بیاویزند، یا دست و پای به برند، از دعوی خویش باز نگردم.

۲۶ــ - - - - - - - - - - - - - - -

۲۷ــ - - - - - - - - - - - - - - -

۲۸ــ - - - - - - - - - - - - - - -

۲۹ــ - - - - - - - - - - - - - - -

۳۰ــ ابلیس را بران "عزازیل" خواندند که از مکان خود "معزول" بود از بدایت بنهایت نرسید - از بدایت شقی بیرون آمد.

۳۱ــ بیرون آمدنش معکوس بود از استقرار ارسش، مشتعل بنار تعریسش، و نور ترویسش.

۳۲ــ و قواصیه بکل، و صیص مقابله، مثل و میض، شراهم برهمیه، صوایه معینه، عمیه، قطمیه.

۳۳ــ یا اخی، لَوْ فَهِمْتَ لَتَوَهَّمْتَ الرَّسْمَ رَسْماً وَتَوَهَّمْتَ الْوَهْمَ وَرَجَعْتَ عَمّاً وَفَنَیْتَ غَمّاً.

۳۴ــ فُصَحَاءُ الْقَوْمِ خَرِسُوْا، وَالْعُرَفَاءُ عَجَزُوْا عَنْ مَا دَرَسُوْا.

از عالم بود به سجود و اقرب بود به معبود، و ابدال تر بود بر مجهود و او فی تر بود به معهود و ادنی تر بود.

۳۵ــ سجود ملائکه، سجود مساعدت بود، جحود ابلیس در سجود از طول مشاهدت بود.

۳۶ــ فَاخْتَلَطَ اَمْرُهٗ وَسَآءَ ظَنُّهٗ، فَقَالَ "اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ". وَبَقِیَ فِی الْحِجَابِ، وَتَمَرَّغَ فِی التُّرَابِ، وَلَزِمَ بِالْعِقَابِ، اِلٰی

اَبَدُ الْآبَادِ ۔

باب هفتم

طاسین مشیت

۱— طاسین مشیّت، صورت او اینست، دایره اوّل مشیّت است، ثانی حکمت، ثالث قدرت، رابع معلومات ازلیت.

۲— ابلیس گفت اگر در دایره اوّل روم، در دایره ثانی مبتلا شوم، و اگر در دایره ثانی حاصل شوم، در دایره ثالث مبتلا شوم، و اگر از ثالثم منع کنند، برابع مبتلا شوم.

۳— فَلَا وَلَا وَلَا بمانم در "لا" اوّل لعنت کنندش، در لای ثانی بیادش انداز ند او را، رابع چون باشد ازو.

۴— اگر دانستمی که سجود آدم برهاندی مرا، سجود کردمی ولیکن دانستم در ورای این دایره دایره است، با خود گفتم "عجب اگر نجات یابم ازین دایره، از ثانی تا ثالث و رابع چون رهم؟".

۵— الف الخامس آنست که هو الحق.

باب هشتم

طاسین التوحید

۱ — ----------------

۲ — والحق واحد، احد، وحیـــد، موحّد.

۲ — وا‌لواحـــد، والتوحید درو، ازو.

۴ — ازوست بینونت، بینونت دریں معنی صورتی کروانیست.

۵ — علومِ توحیـــد متفردست، مجرد، توحید را صورت انیست.

۶ — صورت موحّد، صفت موحّد.

۷ — اگر گویم که من آنم آں باشد نه آں، (او منزّه از من واز گفتِ "من" واز توحید من).

۸ — من اگر گویم که رجوعِ توحید به موحّدست، توحید مخـــلوق نهاده ام،

۹ — واگر گویم که به موحّد، هر که متوحّد شد چوں با توحید شود (چوں به توحید باز آید) چوں صفتِ موحّد باشد؟).

۱۰ — اگر گویم که از موحّد به موحّد، نسبتش بجد کرده ام.

باب نہم

طاسین الاسرار فی التوحید

۱۔ صفت طاسین اسرار در توحید چنین است - اسرار از نازع است، و بدو نازع است و درو وازع است، نہ درو لازم است ۔

۲۔ ضمیر توحید حائر است، نہ در ضمیر و مضمر و ضمائر "ھا" اوست و بگو "ھا" است از موحد نہ گردد ۔

۳۔ ---------------------

۴۔ ---------------------

۵۔ ---------------------

۶۔ ---------------------

۷۔ ---------------------

۸۔ اگر گویم "توحید از و پیدا شد" ذات را دو ذات نہادہ ام، آنچہ پیدا شد ذاتی، و ذات چوں نہ ذات باشد، ذات است و نہ ذات است ۔

۹۔ پنہاں کرد چوں پیدا شد کجا پنہاں شد کہ کجا نیست، نہ "ما" و نہ "ذا" ایں او را ضمن نہ گیرد ۔

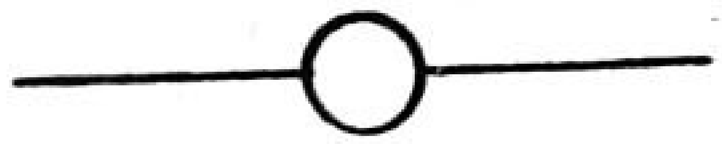
۱۰۔ زیرا کہ بدو خلق است و "أین" خلق اوست ۔ "أین"

۱۱۔ آنچ عرض بر گیرد غیر جزء جوہر نباشد، آنکہ از جسم مفارق نشود، جز جسم نباشد، آنچ از روح مفارق نشود جز روح نہ باشد، ہضمہ روحانیست ۔

۱۲۔ رجوع کردیم بآنچ در ضمن گیرد از مشمولہ و ہاضمہ و مقولہ و ہاشمہ و محمولہ ۔

۱۳— اوّل معقولاتست و ثانی مرسومات دائراتِ کونین ۔

۱۴— نقطہ معنی توحید، نہ توحید واگرچہ منفصل است دائرہ



باب دهم

طاسین التنزیه

۱ــــ وآنرا دائره مثال است واین صورت اوست۔

سُبُل

۲ــــ این جمله جمل است باقاویلِ اہلِ مِلَل و نِحَل و مِقَل و سُبُل است۔

۳ــــ اوّل ظاہر اوست ، و ثانی باطن اوست و ثالث اشارت اوست (یعنی این دائره ها)۔

۴ــــ این جمله مکوّن و مستکوّن و محور و مطردق و مسمور و منکور و مغرور و مبهور است۔

۵ــــ در ضمائرِ ضمائر دائر ، و مایر ، و حایر ، و طایر ، و عایر ، و نایر ، و صایر۔

۶ــــ این جمله مکوّنات و ملوّنات است ، حق ازین افسانها منزّه است۔

۷ــــ اگر گویم که "اوست" توحید را نه گویند۔

۸ــــ اگر گویم که صحیح شُد توحیدِ حق گویند که "درست" باشُد۔

۹ــــ اگر گویم که "بے زبان" گویند که معنی توحید تشبیه است"؟ و تشبیه لائق نیست باوصافِ حق و توحید نسبت بحق نکنند ، و بخلق نه کنند زیرا که عدّ حدّ است اگر زیادت کنی در توحید حادث بود و حادث نه صفت حق است ، ذات واحد است حق باطل از مین ذات پیدا نشد۔

۱۰ــــ اگر گویم که "توحید کلام است" ، کلام صفت ذات است۔

۱۱ــــ اگر گویم که "مراست که واحد شود" ، ارادت صفت ذات است و مرادات خلق است۔

۱۲ــــ و اگر گویم که "الله توحید ذات باشد" و ذات توحید باشد۔

۱۳— اگر گویم که "نه ذات است" او را مخلوق خوانده ام۔

۱۴— اگر گویم که "اسم و مسمّٰی واحد است"، معنی توحید چه بود؟۔

۱۵— اگر گویم که "اللہ اللہ"، اللہ عین یعنی عین ہو ہو"۔ عین لحنی ع

۱۶— این جا طاسین نفی علل است و این دائرات باین لام الفات صورت اوست

۱۷— اوّل از لست، و ثانی مفهومات، و ثالث جهت، و رابع معلومات۔

۱۸— ذات نیست، و دون صفات۔

۱۹— اوّل در آید از باب "علم" و نه بیند، دوم در آید از باب "صفا" و نه بیند۔ سوم در آید از باب "فهم" و نه بیند، چهارم در آید از باب "معنی" و نه بیند۔ و نه "بذا" (ذات) و نه "بہ بثا" (شی) و نه "بقا" (تال) و نه "بما" (ماہیت)۔

۲۰— اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ الَّذِیْ تَقَدَّسَ بِقُدْسِهٖ عَنْ سُبُلِ اَهْلِ الْمَعَارِفِ وَادْرَاکِ اَهْلِ الْکَوَاشِفِ۔

۲۱— این جا طاسین نفی و اثبات، و این صورت اوست۔

۲۲— نقشِ اوّل فکرِ عام است، و ثانی فکرِ خاص، و دائرہ علم حق، و سطانی بدار اینهاست۔ لام الفات که بدائره محیط است، نفی است از جمیع جهات آں دو "حا" حاملان اند از جوانب اجانب توحید باند، ما ورای آں حوادث است۔

۲۳— فکر عوام غوص کند در بحرِ اوہام، و فکر خواص غوص کند در بحر افهام، آں دو بحر خشک شود، و طریق مندرس شود و آں دو فکر بگردد، و آں دو حامل مضمحل شود و آں دو کون فنا شود۔ و حجت ها بدرد، عرفان متلاشی گردد۔

۲۴— از جناب الوہیت رحمان بسیاند، منزّه، بی حدثان، سبحان، آں خدای که از جمله علل منزّه است۔ برهانش قویست، و سلطانش عزیز است، ذو الجلال، ذو المجد و الکبریاست، بی شمارش، یکی نه یکی چون "یکی"۔ حد و عدّ و ابتدا و انتها را بدو ندانند

بدیع کونست ۔ منزہ از کونست ۔ لَا یَعْرِفُہٗ اِلَّا ھُوَ، ذُوْالْجَلَالِ
وَالْاِکْرَامِ ، خَالِقَ الْاَرْوَاحِ وَالْاَجْسَامِ ۔

باب یازدهم

بُستان المعرفة

۱ — معرفت در ضمن نکره مخفی ست، و نکره در ضمن معرفت مخفی ست۔

۲ — ....

۳ — ....

۴ — ....

۵ — ....

۶ — ....

۷ — ....

۸ — هر که خُدا بصنع بشناسد، اقتصار بر صنع کرده باشد بدون صانع۔

۹ — ....

۱۰ — ....

۱۱ — ....

۱۲ — ....

۱۳ — ....

۱۴ — ....

۱۵ — دل پاره گوشت است و خُشن نانی، معرفت دراں قرار نگیرد، زیرا که معرفتِ جوہرِ ربّانی است۔

۱۶ — ....

۱۷ـــ - - - - - - - - - - - - -

۱۸ـــ - - - - - - - - - - - - - - - -

۱۹ـــ - - - - - - - - - - - - - - - -

۲۰ـــ - - - - - - - - - - - - - - - -

۲۱ـــ - - - - - - - - - - - - - - - -

۲۲ـــ - - - - - - - - - - - - - - - -

۲۳ـــ - - - - - - - - - - - - - - - -

۲۴ـــ معروف ورای ادہام است عارف باعرفان خود کیست ؟

۲۵ـــ اَلقِصَّةُ مَعَ القُصَّاصِ، وَالمَعْرِفَةُ مَعَ الخَوَاص، وَالکُلفَةُ مَعَ الاَشْخَاصِ، وَالنُّطْقُ مَعَ اَهْلِ الوَسْوَاسِ، وَالفِکْرَةُ مَعَ اَهْلِ الاَیَاسِ، وَالغَفْلَةُ مَعَ اَهْلِ الاِسْتِیْحَاش -

۲۶ـــ وَالحَقُّ، حَقٌّ، وَالخَلْقُ خَلْقٌ وَلا بَأْسَ -

باب پہلا

طاسین السراج

۱ ۔۔ حسین بن منصور، اللہ ان سے راضی ہو، فرماتے ہیں کہ طاسین غیب کے نور کا ایک چراغ تھا۔ جو اس دنیا میں ظاہر ہوا۔ اور پھر لوٹ آیا۔ وہ نور تمام چراغوں[1] سے بڑھ گیا۔ اور سب روشنیوں پر غالب آیا۔ اس کی تجلی اس طرح آشکارا ہوئی کہ تمام چاند اس کے سامنے ماند پڑ گئے۔ اس نور (آفتابِ رسالت) کا بُرج بھیدوں کے آسمان میں ہے اور وہی عظیم ستارہ ہے جس کا بُرج فلکِ حرکت ہے۔[2]

حق تعالیٰ نے اسی نور کا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نام، آپ کی جمعیت خاطر کی وجہ سے اُمّی (ان پڑھ) رکھا۔ آپ ہی کو عظمتِ نعمت کی بنا پر باشندہ "حرم" کے لقب سے ملقب کیا اور آپ ہی کو اس تمکنت کی وجہ سے جو آپ کو قربِ خداوندی سے حاصل ہے۔ مکی کے خطاب سے سرفراز فرمایا ہے۔

۲ ۔۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے آپ کے سینے کو کشادہ کیا۔ آپ کے مرتبہ کو بلند کیا اور آپکے حکم کو واجبُ التعظیم بنایا ہے۔ آپ کے اس بوجھ کو آپ سے اتار دیا ہے جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ اَلَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ (جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم،

---

[1] ہم نے ترجمہ میں "سُرُج" کو اختیار کیا ہے۔ یہ سراج کی جمع ہے۔ فارسی کی شرح میں بھی یہی ہے۔

[2] سورہ یٰسین ۳۶، آیت ۳۹ میں چاند کے لئے لفظ "عاد" استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ یہاں حلاج نے استعمال کیا ہے۔ یعنی چاند اپنی رویت کے مختلف اشکال اختیار کرتا ہے اور پھر اپنی قدیم صورت پر لوٹ آتا ہے اسی طرح ایک نور قدیم ہے۔ جو مختلف شکلوں میں نمودار ہوا اور پھر اپنی قدیم صورت پر برقرار رہا۔

آپ کی کمر توڑ رکھی تھی ' (نمبر ۲ میں سورہ الم نشرح ۹۴ ، آیات ۱ - ۳ کی طرف اشارہ موجود ہے) ۔

بالآخر آپ کے نبوّت کے چاند کو ظاہر فرمایا۔ چنانچہ یمامہ کے بادلوں سے وہ چاند طلوع ہوا اور تہامہ کے علاقوں سے آفتاب بن کر چمکا اور کرامت کے کان سے آپکے رشد و ہدایت کا چراغ جگمگایا ۔

۳ — آپ نے جو خبر دی وہ اپنی بصیرت[2] کی بنا پر دی ہے اور جن چھ[3] چیزوں کا حکم دیا ہے وہ اپنی سیرت کی سچائی پر دیا ہے ۔ پہلے آپ[1] مقام حضور پر فائز ہوئے ، پھر[2] دوسروں کو حاضر فرمایا ۔ اوّل[3] معاملہ حق واضح کیا ۔ پھر[4] آگاہی دی ۔ پہلے[5] آپ نے راستہ بتایا ، پھر قصد فرمایا ۔

۴ — حقیقت میں آپ کو سوائے صدیق اکبرؓ کے کسی اور نے نہیں دیکھا ہے ۔ کیونکہ انہوں نے آپ کے ساتھ موافقت کی ، پھر آپ کا ساتھ دیا ہے ۔ یقیناً ان دونوں[1]

---

[1] اشارہ ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ کی طرف ۔ " تاکہ وہ اس دین حق کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کر دے" ۔ ۹ : ۳۳ ۔ [2] سورہ یوسف ۱۲ : آیت ۱۰۸ میں ہے ،" آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے ۔ میں تمہیں اللہ کی طرف علیٰ وجہ بصیرت بلاتا ہوں" ۔ [3] ۶ چیزوں کا اشارہ سورہ اعراف ۷ ، آیات ۱۵۷ ، ۵۱ کی طرف ہو سکتا ہے ۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے آپ کو" نبی امّی " کے خطاب سے سرفراز فرمایا ہے ۔ نمبر ۱ کے ترجمہ میں گزر چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کا نام اُمّی رکھا ۔ وہ چھ چیزیں یہ ہیں ۱ : آپ فرماتے ہیں کہ اللہ پر اور اس کے رسول اُمّی پر ایمان لاؤ ، ۲ : لوگوں کو نیک کام کا حکم دیتے ہیں ، ۳ : بدی سے ان کو روکتے ہیں ۔ ۴ : ستھری چیزیں ان پر حلال ٹھہراتے ہیں ۔ ۵ : گندی چیزیں ان پر حرام فرماتے ہیں ، ۶ : اور وہ بوجھ ان سے دور کرتے ہیں جو ان پر پڑا ہوا ہے ۔

نے کے درمیان جُدائی کرنے والا کوئی باقی نہ تھا۔

۵ — آپ کو کسی عارف نے نہیں پہچانا ہے۔ کیونکہ آپ کا وصف ہمیشہ اُس پر نامعلوم ہی رہا ہے اور وہ آپ کی صفت کما حقہٗ معلوم نہیں کر سکا ہے۔ حق تعالیٰ خود آپ کے اوصاف کے انکشاف کا ذمہ دار ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں وہ فرماتا ہے :

جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اس کو (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک فریق ایسا ہے جو دانستہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ (قرآن ۲ : ۱۴۶)

۶ — نبوّت کے انوار آپ ہی کے نُور سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کی تمام روشنیاں آپ ہی کی روشنی سے ظاہر ہوئی ہیں۔ روشنیوں میں سے کوئی روشنی بھی اس کرامت والے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی سے زیادہ تابناک، زیادہ واضح اور زیادہ قدیم نہیں ہے۔

۷ — آپ کی ہمت تمام ہمتوں پر سبقت لے گئی ہے۔ آپ کا وجُود عدم پر سبقت لے گیا ہے۔ یعنی آپ کے وجود پر عدم کی پرچھائیں ہرگز نہیں پڑی۔ اور آپ کا اسم مبارک قلمِ تقدیر پر بھی سبقت لے گیا ہے۔ کیونکہ آپ ہی ہیں جو جن و انس کی تمام امتوں سے پہلے تھے۔ کوئی بھی اس عالم میں ہو یا اس عالم کے علاوہ ہو یا اس عالم کے ماوراء ہو۔ وہ آپ سے زیادہ خوش طبع، آپ سے زیادہ بزرگ، آپ سے زیادہ شہرت والا، آپ سے زیادہ منصف و مہربانؐ، ڈرنے والا اور رحم دل نہیں ہے۔

ؐ سورۂ توبہ ۹ : ۱۲۸، "لوگو! تم ہی میں سے تمہارے پاس وہ رسول آئے جن پر تمہاری تکلیف بہت شاق ہے۔ وہ تمہارے فائدے کے بہت فکر مند ہیں اور ایمانداروں پر بہت شفیق و مہربان ہیں۔

آپ صاحبِ معراجِ اکبر ہیں اور مخلوق کے سردار ہیں۔ آپ کا اسمِ گرامی احمد[2] اور آپکی تعریف یگانہ و یکتا ہے۔ آپ کا حکم اٹل، آپ کی ذات غنی، آپ کی صفت بلند اور آپ کی ہمّت منفرد ہے۔

۸ سُبحان اللہ حق تعالیٰ نے کیا خوب آپ کو غالب فرمایا ہے اور کیا عُمدہ وقار آپ کو بخشا ہے۔ کیسی عظمت و شہرت آپ کو عطا فرمائی ہے اور کس درجہ مُنوّر، قادر اور دیدہ ور بنایا ہے۔

آپ ہمیشہ رہے ہے، بلکہ مخلوقات و موجودات سے پہلے بھی آپ کا ذکرِ خیر تھا، آپ کے تذکرہ کا سلسلہ ازل سے پہلے اور ابد تک جاری رہے گا۔ آپ جواہرِ مُجرّدہ اور عالمِ ارواح سے پہلے اور اُن کے بعد بھی ہیں[3]۔

آپ کا جوہر صفائی والا، آپ کا کلام خبر دینے والا اور آپ کا علم بلندی والا ہے۔ آپ کی زبان عربی، آپ کا قبیلہ نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے۔ آپ کی جنس فعالیت، کا مظہر ہے۔ آپ کا معاملہ اور برتاؤ اصلاحِ خلق ہے۔

۹ آپ کے اشارے سے آنکھیں روشن ہوگئی ہیں۔ آپ ہی کے ذریعہ سے بھید اور پوشیدہ چیزیں پہچانی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کلام آپ کی زبان پر جاری

---

[1] هٰذِهِ الْقَضِيَّة کا ترجمہ ہم نے معراج کے واقعہ سے کیا ہے۔ حلّاج نے کنایۃً کہہ کلام میں لُطف پیدا کیا ہے یعنی اس معاملہ (معراج) کے صرف وہی اہل ہیں۔

[2] سورہ صف ۶۱ : ۶ میں ہے "آپ کا اِسم گرامی احمد ہے"۔

[3] اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (حدیث) جو چیز اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

کیا۔ یعنی آپ کا کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے[1]۔ خود دلیل نے آپ کی صداقت پر مُہر ثبت کی ہے۔ بلکہ آپ کی ذات خود ہی دلیل اور خود ہی مدلول ہے۔ آپ ہی نے سینۂ سوزاں سے زنگِ کدورت کو دُور فرمایا ہے۔ آپ کوئی ایجاد کیا ہوا، گھڑا ہوا، اور کسی کی طرف سے بنایا ہوا نہیں بلکہ قدیم کلام لے کر آئے ہیں[2]۔ آپ حق کے ساتھ بغیر کسی جُدائی کے وابستہ ہیں اور آپ کے کمال کا اِدراک معقولات کی حد سے خارج ہے۔ آپ کے علاوہ کسی نے بھی نہایتوں کی نہایت اور غایتوں کی غایت کی خبر نہیں دی ہے۔

۱۰۔ آپ نے شک و شبہ کے بادل کو اُٹھا دیا ہے اور بیت الحرام کی کھلی فضا کی طرف اِشارہ کیا ہے۔ آپ کمال و عظمت والے ہیں۔ آپ ہی کو بتوں کے توڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور آپ ہی کو مخلوقات اور کُل اجسام کی طرف مبعُوث کیا گیا ہے[3]۔

۱۱۔ آپ کے سر کے اُوپر ایک نور کا بادل تھا، جو چمکا۔ اسی طرح آپ کے قدموں کے نیچے بھی ایک نور کی بجلی تھی جس نے دنیا کو جگمگایا۔ اِس بجلی کی روشنی چاروں طرف پھیلی اور اُس بادل کا پانی بھی چاروں طرف برسا اور پھل لایا۔

تمام علوم آپ کے بحرِ علم کا ایک قطرہ ہیں۔ اسی طرح تمام حکمتیں آپ کے معارف کے

---

[1] سورۂ نجم ۵۳، آیات ۳-۴: "وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، یہ تو وحی ہے جو اُن پر نازل ہوتی ہے۔" [2] سورۂ یونس ۱۰، آیت ۱۵: "جب ہماری کھلی اور واضح آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو جو ہماری ملاقات سے نا اُمید ہیں۔ یُوں کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لائیے یا اسی کو بدل دیجیے۔ آپ فرما دیجیے کہ یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ مَیں تو اسی کے تابع ہوں جس کا مجھے حکم ملتا ہے۔"

[3] سورۂ سبا ۳۴، آیت ۲۸: "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ط "بلاشبہ ہم نے تمام انسانوں کی طرف آپ کو بھیجا ہے۔"

سمندر کی ایک چلّو ہیں اور تمام زمانے آپ کے وقت کی ایک ساعت ہیں۔

۱۲— حق آپ کے ساتھ ہے اور حقیقت بھی آپ کے ساتھ ہے۔ سچائی اور نرمی آپکی ذات کا جوہر ہے۔ آپ قُرب میں سب سے پہلے اور نبُوّت میں سب سے بعد ہیں۔ از رُوئے حقیقت آپ باطن ہیں اور از رُوئے معرفت آپ ظاہر ہیں۔

۱۳— کوئی عالِم آپ کے علم تک نہیں پہنچ سکا اور نہ کوئی فیصلہ کرنے والا آپ کی فہم و بصیرت پر اطلاع حاصل کر سکا ہے۔

۱۴— حق تعالیٰ نے آپؐ کو مخلوق میں سے کسی کے سپُرد نہیں کیا۔ کیونکہ آپ مقامِ ھُو کے رمز شناس ہیں اور وہ مقامِ ھُو اور ذاتِ مطلق کہاں ہے؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے کیونکہ وہ جہاں ہے اور جیسا ہے، وہ ہے۔

۱۵— کوئی بھی باہر نکلنے والا "محمدؐ" کے میم سے باہر نہیں نکلا۔ (یعنی مقامِ محمدؐ سے آگے نہیں جا سکا) اور کوئی بھی داخل ہونے والا "محمدؐ" کی حا میں داخل نہیں ہو پایا۔ (یعنی کوئی شخص بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجۂ حال تک رسائی حاصل نہیں کر سکا ہے) لفظ "محمدؐ" کی حا، دوسرا میم اور اسکی دال پہلا میم ہے۔ اس لفظ کی دال آپ کی ہمیشگی پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا میم آپ کے مقام کی بلندی کی خبر دیتا ہے۔ اور اس کی حا آپ کے حال کا مظہر ہے۔

۱۶— اللہ تعالیٰ نے آپ کے قول کو ظاہر کیا ہے۔ آپ کی خبر کو نمودار کیا ہے اور آپکی دلیل کو پھیلایا ہے۔ اسی نے آپ کے قرآن کو نازل کیا ہے۔ اسی نے آپ کی زبان کو روانی بخشی ہے اور اسی نے آپ کے قلبِ مبارک کو مُنوّر فرمایا ہے۔ وہی ذات ہے جس نے آپ کی بُنیاد کو محکم کیا ہے جس نے لوگوں کی گردنیں آپ کے سامنے جھکائی ہیں۔ جس نے آپ کے بیان کو ثابت اور سچا کر دکھایا ہے اور جس نے آپ کی شان کو تمام دنیا میں ارفع و اعلیٰ کیا ہے۔

۱۷ اے راہِ حق کے طلبگار ! اگر تو آپؐ کے بتلائے ہوئے راستوں سے بھاگے گا تو پھر تیرے لئے کونسا نجات کا راستہ رہ جاتا ہے۔

اے بیمار ! اس راہ میں تجھے کوئی رہنما نہیں ملے گا۔ سچائی کی راہ اس کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

دیکھ ! تمام دانا لوگوں کی حکمتیں آپ کی حکمت و دانائی کے سامنے ریت[۱] کے بھربھرے ٹیلوں کی طرح ہیں۔

---

[۱] "کَثِیْبًا مَّھِیْلًا" ریت کا بھربھرا ٹیلا۔ یہ لفظ سورہ مُزّمّل ۷۳، آیت ۱۴، میں آیا ہے۔

جس طرح فرعون اور اس کی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی وجہ سے تباہ ہوئی، اسی طرح آپ کے راستہ سے رُوگردانی دردناک عذاب کا پیش خیمہ ہے۔

باب دوسرا

طاسین الفہم

۱ مخلوقات کی سمجھ اور سوچ کا حقیقت[۱] سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح حقیقت ایک ایسی چیز ہے جس کا مخلوق سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ دل میں گذرنے والے خیالات دراصل ہر شخص کے اپنے اوہام و افکار ہوتے ہیں جو کبھی بھی حقائق کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت کے علم تک رسائی بڑی دشوار ہے بس حقیقت کی تہہ تک کیسے پہنچ ہو۔ اسی کو عرفاء حقیقۃ الحقیقۃ کہتے ہیں۔ جہاں تک حق کا تعلق ہے وہ حقیقت کے درجے سے بلند ہے۔ اسی واسطے حقیقت کو حق نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس سے علیحدہ ایک چیز ہے۔

۲ پروانہ (پتنگا) صبح تک چراغ کے چاروں طرف چکر لگاتا ہے۔ پھر مختلف شکلوں میں لوٹ کر آتا ہے اور اپنے اصل حال کی لطیف ترین گفتگو کے ذریعے خبر دیتا ہے۔ وہ اس عالم میں بڑے ناز و مسرت کے ساتھ خوش رہتا ہے۔ کیونکہ کمال تک پہنچنے کی امید اس کے سینے میں ہوتی ہے۔

۳ چراغ کی روشنی حقیقت کا علم ہے۔ اس کی گرمی حقیقت کی تہہ اور اُس تک

---

[۱] حقیقت ہر چیز کی اصلیت کہلاتی ہے۔ عالمِ اجسام کو اگر شئے کہا جائے تو عالمِ مثال اس کی حقیقت کہلائے گی اور اگر عالمِ مثال کو شئے سے تعبیر کیا جائے تو عالمِ روح اس کی حقیقت ہوگی۔ وعلیٰ ھٰذا القیاس، یہاں تک کہ عالمِ ذات بحت تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے جسے حقیقۃ الحقیقۃ اور حقیقۃ الحقائق بھی کہتے ہیں۔

رسائی حقیقت کا حق ہوتا ہے۔

۴۔ پروانہ چراغ کی روشنی اور اس کی گرمی پر راضی نہیں ہوا۔ اس لئے اس نے پورے طور پر اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ بعدازاں مختلف شکلیں اس کی آمد کا انتظار کرتی ہیں چنانچہ وہ ان کو مقامِ نظر کے بارے میں خبر دیتا ہے۔ اور نظر کو خبر پر ترجیح دیتا ہے جب وہ اس درجہ کو پہنچتا ہے تو لاشے ہو جاتا ہے اور حقیر و پست بن کر بکھر جاتا ہے اب وہ بغیر کسی علامت کے، بغیر کسی جسم کے، بغیر کسی نام اور بغیر کسی نشان کے باقی رہتا ہے جانتے ہو کس معنی کی خاطر وہ مختلف صورتوں کی طرف لوٹتا ہے اور کس حال کے لئے جبکہ وہ یہ درجہ پا لیتا ہے۔ ایسا ہو جاتا ہے؟۔ حقیقت یہ ہے کہ جو مقام نظر تک پہنچ جاتا ہے وہ خبر کے عالم سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور جس کی رسائی منظور تک ہو جاتی ہے۔ وہ مقامِ نظر کی بھی پروا نہیں کرتا۔

۵۔ یہ بات ایک کم ہمت، سست، مٹنے والے، پاپ کے پتلے اور خواہشات کے پجاری پر پوری نہیں اتر سکتی ہے۔ میری طرح، ہاں! میری طرح۔ گویا کہ میں "وہ" ہوں یا "وہ" میں ہو گیا۔ اگر تو "میں" بن گیا (یعنی دوئی مٹ گئی) تو مجھ سے اجتناب نہ کر۔ بالفاظ دیگر میں اس کی طرح ہوں اور وہ میری طرح ہے تو وہ مجھے خود اپنے ہی سے خوفزدہ نہیں کرے گا۔

۶۔ اے گمان کرنے والے! ایسا گمان نہ کر کہ "اب" میں ہوں یا "آئندہ" میں ہوں گا یا کبھی "میں تھا"۔ البتہ تو صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں ایک مستعد عارف ہوں یا پھر تو

لے خبر و نظر، ان میں وہی فرق ہے جو شنیدہ اور دیدہ میں ہے۔ خبر وہ حقیقت جو علم کے ذریعہ سے حاصل ہو اور نظر وہ مقامِ حقیقت ہے جو مشاہدہ کے ذریعہ سالک کو حاصل ہوتا ہے۔

یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا ایک حال ہے جو ناممکن ہے۔ میں "اس کا" تو ہوتا ہوں لیکن میں "وہ" نہیں ہو سکتا ہوں۔

۷۔ اے نفس اگر تو سمجھنا چاہتا ہے تو یہ سمجھ لے کہ حقیقت سوائے احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کے سپرد نہیں کی گئی۔ جن کی شان میں یہ آیت ہے: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے آخر میں ہیں۔ (سورہ احزاب ۳۳ آیت: ۴۰)۔

جب آپ دو جہاں کی حدود سے آگے بڑھ گئے، مقامِ جنّ و اِنس سے اوجھل ہو گئے اور آپ نے عالمِ امکان سے آنکھ بند کر لی تو پھر آپ کے لئے کسی جھوٹ اور غلطی کا شائبہ باقی نہیں رہا۔

۸۔ یہاں تک کہ آپ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ، کے درجۂ قُرب تک پہنچ گئے یعنی آپ اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کا یا اِس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ (سورۂ نجم ۵۳ آیت: ۹)۔

جب آپ حقیقت کے علم کی منزل تک پہنچے تو آپ نے قلب کے بارے میں خبر دی اور اس کو پرکھا اور جب حقیقت کے حق ہونے پر آگاہ ہوئے تو اس وقت اپنی مُراد ترک کر دی اور خدائے بخشندہ کی اطاعت کے لئے سرِ تسلیم خم فرما دیا۔ اس طرح جب کوئی حقیقت کے حق ہونے تک پہنچتا ہے تو وہ اپنی مراد ترک کر دیتا ہے۔ اور خود کو حق کے سپرد کر دیتا ہے اور جب حق تک پہنچ جاتا ہے تو وہاں سے رجوع کرتا ہے بالآخر آپکو وصالِ حق نصیب ہوا اور آپ واپس تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا: اے اللہ! میری روح نے تجھے سجدہ کیا اور میرا دل تجھ پر ایمان لایا۔

جب آپ غایتوں کی غایت تک پہنچے تو فرمایا : اے اللہ ! ایسی تعریف جو تیرے لئے سزاوار ہے ، میں اس کا احاطہ نہیں کرسکتا ہوں۔ اور جب آپ کی رسائی حقیقت کی حقیقت تک ہوئی تو ارشاد فرمایا : اے اللہ ! تُو ایسا ہی ہے جیسا کہ تُو نے خود اپنا وصف بیان کیا ہے۔

آپ نے خواہشِ نفس سے منہ پھیر لیا اور اپنی مُراد تک پہنچ گئے ، مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ، (جو آپ نے دیکھا ، آپ کے دل نے اس میں شبہ نہیں کیا۔ سورہ نجم ۵۳ ، آیت : ۱۱) کا بھی مفہوم ہے۔

سدرۃ المنتہی[۱] کے پاس نہ آپ داہنی جانب حقیقت کی طرف متوجہ ہوئے اور نہ بائیں جانب ، حقیقت کی حقیقت طرف ملتفت ہوئے۔ بلکہ مُستقیم رہے آیت : مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ، (نہ آپ کی نگاہ پیچھے ہٹی نہ آگے بڑھی ، سورہ نجم ۵۳ ، ۱۷)۔ اسی مقام کی نشاندہی کرتی ہے۔

حلاج نے طاسین الفہم میں یہ بات واضح کی ہے کہ فہم انسان کی رسائی حقیقت کے ایک عام درجے تک بھی نہیں ہوسکتی ہے۔ حقیقۃ الحقیقۃ اور حق الحقیقۃ تک اس کا پہنچنا بہت مشکل ہے۔ ان تینوں مرتبوں کو ذہن نشین کرانے کے لئے حلاج نے پروانہ و چراغ کی مثال پیش کی ہے۔ پہلا مرتبہ علم الحقیقۃ ہے جس کو وہ چراغ سے

---

[۱] سدرۃ المنتہی ، دنیا کے درخت کی مانند کوئی بیری وغیرہ کا درخت نہیں ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک وہ روحِ اعظم سے عبارت ہے جس کے اُوپر کوئی تعین اور مرتبہ نہیں ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بجز "ہُویتِ محضہ" کے اور کچھ نہیں۔ اس کے پاس ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رُویت واقع ہوئی۔ کیونکہ یہاں فنائے محض بقا کی طرف رجُوع ہوا (تفسیر حقانی ، سورہ نجم)۔

تشبیہہ دیتا ہے۔ دوسرا مرتبہ چراغ کی حرارت و گرمی ہے۔ جسے وہ حقیقۃ الحقیقۃ قرار دیتا ہے اور تیسرا مرتبہ پروانہ کا اپنے آپ کو چراغ کی روشنی میں گم کر دینا اور فنا کر دینا ہے۔ اس کو وہ حق الحقیقۃ سے تعبیر کرتا ہے۔

اس ظلمت کدۂ دھر میں نورِ حقیقت کا علم بہت دشوار ہے چہ جائے کہ اس کا احساس باقی رہے۔ پھر وہ احساس اتنا پختہ ہو جائے کہ انسان اپنے آپ کو اس حقیقت میں گم کر دے۔

حلاج کہتا ہے کہ یہ مقام ہر کس و ناکس کو نہیں مل سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ مقام بہت بلند مقام ہے۔ اس تک رسائی سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کی نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ معراج کا واقعہ آپ کے مقام کی بلندی کی خبر دیتا ہے جس کا ذکر سورہ نجم کی آیاتِ متذکرہ بالا میں پایا جاتا ہے۔

طاسین الفہم میں پروانہ سے طالب صادق کے قلبِ سوزاں اور چراغ سے سورہ نور کی آیت : اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے :

> اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق جس میں چراغ ہو اور وہ چراغ شیشہ یعنی فانوس میں رکھا ہوا ہو۔ شیشہ گویا چمکتا تارا ہے اور چراغ اس بابرکت درختِ زیتون سے جلایا گیا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ اس کا تیل اگرچہ آگ نے اسے چھوا نہ ہو پھر بھی وہ لگتا ہے کہ چمک اٹھے گا۔ روشنی پر روشنی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ آدمیوں کے لئے یوں مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (۲۴ — ۳۵)

اس تفسیر کی رو سے زجاجہ کا اشارہ قلبِ سالک کی طرف اور مصباح

سے مُراد رُوح ہے۔ شجرۃ جس سے یہ زجاجہ یعنی فانوس جس کو چمکتے تارے سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ روشن کیا گیا ہے۔ صوفیوں کے نزدیک نفس ہے اور مشکوٰۃ (چراغدان — طاق) ان کے قول کے مطابق بدن ہے۔ اسی طرح زیتونہ سے وہ نفس کی استعداد مُراد لیتے ہیں جو اپنی قوتِ فکریہ کی وجہ سے نورِ قدُس میں محو ہو جائے۔

باب تیسرا

طاسین الصفا

حقیقت ایک باریک چیز ہے۔ اس کے راستے تنگ ہیں۔ اس میں اُونچی اٹھتی ہوئی آگیں[1] ہیں اور اس کے پرے گہرا بیابان ہے۔ ایک اجنبی یعنی سالک اس راستہ پر چلتا ہے اور چالیس مقامات طے کرنے کی خبر دیتا ہے۔ وہ مقامات یہ ہیں :

۱ : اَدَب ۲ : ذہب ۳ : سبب ۴ : طلب ۵ : عجب
۶ : عطب ۷ : طرب ۸ : شرہ ۹ : نزہ، صفا ۱۰ : صدق ۱۱ : رِفق
۱۲ : عِتق ۱۳ : تسویح (تصریح) ۱۴ : ترویح ۱۵ : تمانی ۱۶ : شہُود
۱۷ : وجُود ۱۸ : عد ۱۹ : کد ۲۰ : رد ۲۱ : امتداد ۲۲ : اعتداد
۲۳ : انفراد ۲۴ : انقیاد ۲۵ : مُراد ۲۶ : حضور ۲۷ : ریاضت
۲۸ : حِیاطت ۲۹ : افتقاد ۳۰ : اصطلاد ۳۱ : تدبُّر ۳۲ : تحیّر
۳۳ : تفکّر ۳۴ : تصبّر ۳۵ : تغیّر ۳۶ : رِفض ۳۷ : تنقّض (نقض)
۳۸ : رعایت ۳۹ : ہدایت اور ۴۰ : بدایت۔

---

[1] شہیق، یہاں بطور اسم صفت واقع ہوا ہے۔ حلاج ؒ نے 'نیران' (جمع نار) کی صفت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یعنی ایسی آگ جو دھاڑنے والی ہے۔ اس کی ضد زفیر ہے ——

یہ دونوں لفظ سورہ ہود ۱۱، آیت : ۱۰۶ میں آئے ہیں۔ دوزخی جب دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو ان کے لئے وہاں چلّانا اور دھاڑنا ہے۔

یہ اہلِ صفا اور صفوت کا مقام ہے۔

۲۔ ان میں سے ہر مقام کے کچھ علوم ہیں۔ کچھ سمجھ میں آتے ہیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتے ہیں۔

۳۔ آخر کار سالک بیابان (حقیقت) میں داخل ہوتا ہے اور وہاں جاگزیں ہوتا ہے اور پھر وہاں سے گذر جاتا ہے۔ اس بیاباں میں چاہے پہاڑ ہو یا ہموار زمین، کسی اہل کے لئے آرام و آہستگی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے۔

۴۔ پس جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مدت پوری کر دی۔ یعنی ان چالیس مقامات کو طے کر دیا۔ (۲۸ - ۲۹) تو انہوں نے اپنے اہل و عیال کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ اس وقت حقیقت کے سزاوار ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ مقامِ "نظر" کے مقابلے میں مقامِ "خبر" پر راضی ہو گئے تھے تاکہ چھوٹے بڑے یعنی ان کے اور خیر البشر (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان فرق برقرار رہے۔

اسی واسطے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا "شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر لاؤں۔ (سورہ قصص ۲۸ - ۲۹)۔

۵۔ جب ہدایت پانے والا "خبر" پر راضی ہو جاتا ہے تو ایک پیروی کرنے والا یعنی سالک کیوں اس کے نقشِ قدم یعنی "اثر[1]" پر راضی نہ ہو۔

۶۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ سُنا وہ کوہِ طور پر درخت سے نہیں سُنا اور نہ اس

---

[1] اثر نشان کو کہتے ہیں۔ سورہ طٰہٰ ۲۰، آیت ۸۳ - ۸۴ : کی طرف اشارہ ہے :
اے موسیٰ! آپ نے اپنی قوم سے ایسی جلدی کیوں کی کہ (پہاڑ پر وقتِ معیّنہ سے پہلے ہی آگئے) انہوں نے فرمایا کہ میری قوم کے لوگ میرے پیچھے نقشِ قدم پر آرہے ہیں اور اے میرے پروردگار میں نے تیری طرف آنے میں اس لئے جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے۔

درخت کے قُرب وجوار سے سُنا ہے ۔ بلکہ حق تعالیٰ سے سُنا ہے ۔

۷ — حسین بن منصور حلاج کا قول ہے کہ میری مثال اس درخت جیسی ہے یہ اس کا کلام ہے ۔ گویا میرا کلام نہیں ہے ۔

۸ — پس وہ حقیقت جو تمہارے ذہن کی پیداوار ہے وہ بھی مخلوق ہے ۔ لہٰذا تُو مخلوق کو چھوڑ دے تاکہ تُو 'وہ' یا وہ 'تُو' ہو جائے ۔ جیسا کہ حقیقت کا تقاضا ہے یا اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حقیقت ، حقیقت ہے اور مخلوق مخلوق ہے ۔ حقیقتاً تُو "وہ" ہو جائے گا یا وہ 'تُو' بن جائیگا ؟

۹ — کیونکہ مَیں تو صرف اس کا وصف بیان کرنے والا ہوں ۔ میرا کچھ نہیں ہے اس لئے حقیقت میں موصُوف ہی ہے جو مختلف پردوں میں اپنا وصف بیان کر رہا ہے ۔ پس کیا شان ہے اس موصُوفِ حقیقی کی ۔

شارحِ طواسین روزبہان بقلی نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ مَیں بھی واصفِ حقیقی کا جو تمام اوصاف کا سرچشمہ ہے ، ایک وصف ہوں اور وصف کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ بھی واصف کا کمال (گُن) ہوتا ہے ۔ پس کیا بلند مقام ہے اس واصف کا ۔

۱۰ — حق نے اس سے کہا کہ تو دلیل کے لئے راہ نما ہے مگر مدلول کے لئے نہیں اور میں دلیل کے لئے بھی دلیل ہوں ۔

۱۱ — حق نے مجھے عہد ، قول اور اقرار کی مضبوطی سے وہ بنا دیا ہے جو حقیقت ہے اس کی شہادت میرے بھیدؔ[1] نے میرے ضمیر کے بغیر دی ہے ۔ یہی میرا بھید ہے اور یہ طریقت سے بلند ہے ۔ اس کی جانب این و آن سے اشارہ کیا جاسکتا ہے کہ وہی عارفوں کے

---

[1] سِتر (بھید) مقامِ "انائے ذات" ہے ۔ 'ذا' اسمِ اشارہ ہے اور ذات کا مخفف ہے ۔ حلاج نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مَیں نے اپنے آپ کو اس کی ذات میں گم کر دیا ہے ۔

نزدیک حقیقت ہے۔

۱۴ حلّاج نے کہا ہے کہ حق نے میرے دل اور میرے علم کے بارے میں میری زبان میں بات کہی ہے۔ اس نے دُوری کے بعد مجھے اپنا قُرب عطا کیا ہے اور اپنا برگزیدہ اور خاص بندہ بنایا ہے۔

طاسین الصفا میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ حقیقت تک رسائی بہت دشوار ہے اس کا راستہ آگ کا سمندر ہے جو ایک سالک کو طے کرنا پڑتا ہے۔ ان کٹھن منزلوں سے گذر کر آئینۂ دل میں صفا اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ پھر حقیقت کا عکس اس میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

حلّاج نے یہاں چالیس مقامات گنوائے ہیں جن کو عبور کر کے سالک اہل صفا و صفوت کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس عبارت میں چالیس کا عدد قابل غور ہے۔ اس سے چلّہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بغیر چلّہ کشی کی مشقتوں کے سالک اپنے اندر نور نہیں پیدا کر سکتا۔ چونکہ اس طاسین میں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی کیا ہے اس لئے اربعین کی رعایت سے سورہ اعراف کی آیت مندرجہ ذیل کی جانب تلمیح ہو سکتی ہے :

"اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا اور ان تیس میں دس اور ملا کر ان کو پورا کیا۔ پھر اس کے رب کا وعدہ چالیس رات کا پورا ہوا"
(۷ : ۱۴۲)۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور مہینوں مراقبہ و مجاہدہ فرماتے تھے۔ آنحضرت کو جس وقت نبوت عطا فرمائی گئی اس وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال کے قریب تھی۔

حکماء کا قول ہے کہ انسان میں تین قوتیں پائی جاتی ہیں ؛ ۱ : نفسِ حیوانی جس کا ظہور ابتدائے آفرینش سے ہو جاتا ہے۔ ۲ : نفسِ انسانی، جب انسان شعور و عقل کی منزلوں میں داخل ہو جاتا ہے اور اچھے بُرے، اور نفع و نقصان میں تمیز کرنے

لگتا ہے۔ ۳: نفسِ ملکوتی، جب اس میں وجدان اور عرفان کی چنگاری جاگ اٹھتی ہے اور اس کے شعور کی پیاس مادّی زندگی نہیں بجھاتی۔ وہ حقائق اور اسرار کی جانب متوجّہ ہوتا ہے۔ یہ قوت چالیس سال اور اس کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرف حافظ شیرازی نے درج ذیل شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف
کہ در شیشہ بماند اربعینی

کہ اے صوفی شراب عرفان اس وقت شیشۂ دل میں صاف ہو گی جب اس پر چالیس سال بیت جائیں گے۔

اسی حقیقت کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ ملتا ہے:

"یہاں تک کہ جوان ہوا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہنے لگا کہ اے رب مجھے توفیق دے کہ مَیں تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو تُو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں اور یہ بھی کہ مَیں ایسے کام کروں جن سے تو خوش رہے اور تو میری اولاد کو میرے لئے ٹھیک کر دے مَیں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور مَیں تیرے فرمانبرداروں میں سے ہوں"

(۴۶-۱۵)

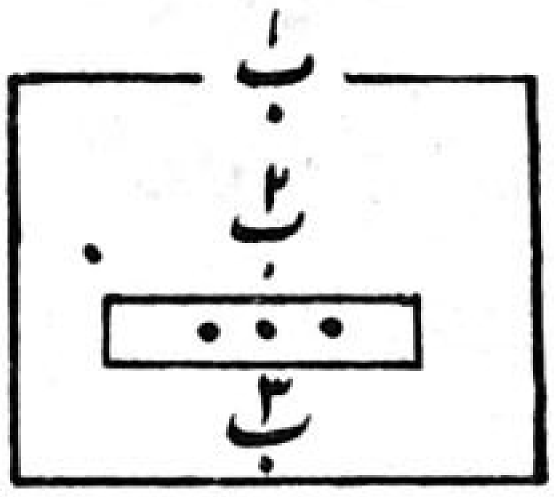
اس کے بعد حلاج نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسٰی علیہ السلام کے مقام کا مقابلہ کیا ہے اور بتلایا ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو مقامِ نظر سے اور حضرت موسٰی علیہ السلام کے مقام کو مقامِ خبر سے تعبیر کرتا ہے۔ اہلِ دل کے نزدیک مقامِ نظر مقامِ خبر سے بہت بلند ہے۔

پھر حلاج نے اپنی طرف اشارہ کیا ہے کہ مَیں تو نشانِ راہ پر چلنے والا ہوں۔ مقامِ نظر اور خبر دونوں سے دُور ہوں۔ موسٰی علیہ السلام نے جو کچھ درخت سے سُنا

وہ درخت کی آواز نہیں تھی بلکہ حق تعالیٰ کی آواز تھی۔ اس لئے جو کچھ میں کہتا ہوں (حلاج) اسے بھی میرا کلام نہ سمجھنا چاہیے۔ ایک درخت اللہ کی تجلّی کا مرکز بن جائے تو تعجب نہیں لیکن اگر ایک انسان جو اشرف المخلوقات ہے اگر وہ کسی تجلّی کا مرکز ہو جائے تو پھر کیوں تعجب ہو؟ حلاج نے اسی نکتہ کو یہاں پیش کیا ہے اور اسی کو وہ حقیقت کہتا ہے۔ یہ بات اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک دُنیا ترک نہ کردی جائے اور اپنے نفس کو فنا نہ کردیا جائے۔ جب امتیازِ من وتُو اُٹھ جائے گا پھر واصف، موصوف اور وصف میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا۔ یہی حلاج کے قول کے مطابق وہ حقیقت ہے جو حق تعالےٰ نے اس کو قول واقرار کی مضبوطی اور استقامت کی بنا پر عطا کی ہے۔ جس کی شہادت حلاج کا ضمیر نہیں بلکہ وہ بھید دیتا ہے جو اس کی زندگی اور ہستی میں مضمر ہے۔ یہ ہی وہ بھید ہے جو بہت کم لوگوں کو معلوم ہوتا ہے اور یہ ہی حقیقت ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

آخر میں حلاج نے ثابت کیا ہے کہ خدا کی کوئی زبان نہیں ہے اور نہ اس کے کلام کا کوئی زبان احاطہ کرسکتی ہے۔ جس کو ہم حقیقت اور معرفت کہتے ہیں اس کی تعلیم بھی اس نے ہماری صلاحیت، ہمارے شعور اور ہمارے قلوب کے مطابق خود ہماری زبان میں دی ہے۔

باب چوتھا



طاسین الدائرہ

۱ — برّانی[1]، یعنی پہلا دائرہ وہ دائرہ ہے جس تک سالک پہنچ سکتا ہے۔ دوسرا دائرہ ایسا ہے کہ وہاں سالک پہنچ تو جاتا ہے لیکن پھر وہاں سے مُنقطع ہو جاتا ہے اور تیسرا دائرہ حقیقۃ الحقیقہ کے بیابانوں کا دائرہ ہے کہ وہاں سرگشتگی اور تحیّر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سالک وہاں بھٹک جاتا ہے اور گم ہو جاتا ہے۔ 'ب' سے مُراد باب (دروازہ) ہے۔

پہلے دائرہ سے وہ دائرہ مُراد ہے کہ جس کے سرے پر ب۱ اس طرح واقع ہے کہ اس میں داخل ہونے کی واضح گنجائش پائی جاتی ہے۔ گویا پہلے دائرے کا دروازہ موجود ہے۔ ب۲ کو دوسرا دروازہ سمجھنا چاہیے جو دائرے کے کنارے پر نہیں بلکہ اندر واقع ہے۔ یہاں تک سالک پہنچ تو سکتا ہے، مگر یہاں سے پھر منقطع ہو جاتا ہے اور اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ ب۳ حقیقۃ الحقیقہ کے بیابانوں کا دروازہ ہے۔ یہ وہ باب یعنی ب۳ ہے جو ب۱ و ب۲ کے محاذ میں دوسرے دائرے کے نیچے واقع ہے۔

حاصلِ کلام یہ نکلا کہ پہلے عالم تک رسائی ہے۔ دوسرے عالم تک اگرچہ رسائی تو ہے

---

[1] 'برّانی'، برّ (خشکی کا حصہ) کی طرف منسوب ہے۔ اس کی ضد جوّانی ہے جو جوّ (فضائے بسیط) کی طرف منسوب ہے۔ برانی، خارجی اور جوّانی، داخلی کے معنوں میں آتا ہے۔

لیکن وہاں سے سالک کی واپسی شروع ہو جاتی ہے اور تیسرے عالم تک اس کے شعور و عقل کی رسائی نہیں وہاں تحیّر و سرگشتگی ہے ۔

۲ — اور افسوس ہے اس شخص پر جو دائرے میں داخل ہو جائے اور آگے بڑھنا چاہے تو اس پر راستہ بند کر دیا جائے ۔ یہ وہ مقام ہے کہ طالب کو یہاں سے لوٹا دیا جاتا ہے ۔

دائرے میں اُوپر کا نقطہ طالب کی ہمت ہے ۔ حلّاج کی مراد اس سے وہ نقطہ ہے جو دائرے کی بائیں طرف دائرے کے پاس واقع ہے ، اندر واقع نہیں ہے اور نیچے کا نقطہ اپنی اصل کی طرف سالک کی بازگشت ہے ۔ اس سے وہ نقطہ مُراد لیا ہے جو دوسرے دائرے میں دائیں جانب واقع ہے اور درمیانی نقطہ سالک کی سرگشتگی اور اس کا تحیّر ہے ۔ درمیانی نقطہ سے وہ نقطہ مطلوب ہے جو دوسرے دائرے میں بائیں جانب پایا جاتا ہے ۔

۳ — اور وہ دائرہ جس کا کوئی دروازہ نظر نہیں آتا ہے ۔ اس کے عین درمیان جو نقطہ ہے وہی حقیقت ہے ۔ یہی وہ مختصر دائرہ ہے کہ جو دائرہ ثانی کے درمیان واقع ہے ۔

۴ — حقیقت کے معنٰی ایک ایسی چیز یا کیفیت و حیرت ہے جس سے نہ عالمِ ظاہری اور نہ عالمِ باطنی کی اشیاء چھپی رہتی ہیں ۔ اور یہ حقیقت اشکال بھی قبول نہیں کرتی ہے گویا جوہرِ لطیف ہے ۔

۵ — اگر تو اس چیز کو سمجھنا چاہے جس کی طرف مَیں نے اشارہ کیا ہے تو " چار پرندے لے اور ان کو مانوس کر لے " (سورہ بقر ۲ — ۲۶۲) ۔ کیونکہ جو حق ہے وُہ تیرے پاس سے اُڑ کر نہیں جائے گا ۔

۶ — غیرت اس کو یعنی حقیقت کو غَیبت (ضدِ حضور) کے بعد حاضر کر دیتی ہے ۔ ہیبت اس کو روک دیتی ہے اور حیرت اس کو چھین لیتی ہے ۔

۷ — یہ حقیقت کے معانی اور مطالب ہیں ۔ اس سے بھی زیادہ باریک چیز ان مرکزدل

تک رسائی رکھنے والے حضرات کا نقل کردہ کلام ہے۔

۸ــــ سالک یہ سب کچھ دائرے کے اطراف سے دیکھتا ہے دائرے کے پرے سے کچھ نہیں دیکھتا ہے۔

۹ــــ جہاں تک علم الحقیقت کے سمجھنے کا تعلّق ہے وہ فی نفسہٖ مُقدّس ہے اور یہ ہی دائرہ اس کا تقدُّس ہے۔ یعنی سالک کی رسائی علم الحقیقت تک نہیں ہوئی کیونکہ وہ عاجز ہے۔ علم کیا ہے؟ طلب ہے۔ اور دائرہ تقدُّس ہے۔

۱۰ــــ اسی واسطے حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "حَرَمی" یعنی حُرمت و تقدس والا کہا ہے۔ کیونکہ آپ کسی وقت بھی دائرۂ حرمت و تقدس سے باہر نہیں نکلے ہیں۔

۱۱ــــ آپ کی ذات مخلوقات سے ماورار ہے۔ آپ خُدا سے ڈرنے والے اور مخلوقات پر نرم دل ہیں۔ آپ نے ان پر اظہارِ افسوس کیا ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت سے غافل ہیں۔

اس طاسین میں حلّاج نے تین دائروں کا بیان کیا ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک دائرے سے مُراد غیب کا عالَم ہوتا ہے اور ان کو کشف و شہُود کے ذریعے سے غیب کے عالم دائروں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ (تفسیر حقّانی)

یہاں تین دائروں سے حسبِ ذیل تین عالَم مُراد لئے ہیں، ۱: پہلا دائرہ، اس سے عالَمِ ملک مُراد ہے جسے عالمِ ناسُوت یا عالمِ شہادت بھی کہتے ہیں، ۲: دُوسرا دائرہ، اس کو عالَمِ ملکوُت سے تعبیر کیا ہے۔ اسی کو عالمِ ارواح اور عالمِ غیب بھی کہتے ہیں۔ ۳: تیسرا دائرہ، یہ عالَمِ جبرُوت کا دائرہ ہے۔ جسے دُوسرے لفظوں میں حقیقتِ محمدیہ اور مرتبۂ اَحدیت بھی کہا جاتا ہے۔

صوفیاء کا قول ہے کہ کائنات اور اس کے علم کے دو حصّے ہیں۔ ایک ظاہری، دُوسرا باطنی۔ وہ لوگ جو عقل اور محض دُنیادی علوُم ہی کو معیار قرار دیتے ہیں ان کی معلومات صرف ظاہری حصّے تک ہی محدُود رہتی ہیں لیکن وہ حضرات جن کی عقلیں نورِ شریعت

سے منوّر ہیں وہ باطنی حصّے یعنی عالمِ غیب سے بھی واقف ہوتے ہیں اور اس کے اسرار و رموز بھی ان پر اسی طرح منکشف رہتے ہیں ۔ جس طرح عالمِ ظاہری کے امُور حکماء اور فلاسفہ پر آشکارا ہیں ۔ (عوارفُ المعارف)

حلّاج کے نزدیک پہلا دائرہ یہی ظاہری دُنیا ہے جس کی حقائق تک رسائی ممکن ہے دُوسرا دائرہ 'عالمِ ملکُوت' کا ہے ۔ گو وہاں تک خواص کی رسائی ہے مگر اس سے آگے کوئی نہیں جا سکتا ۔ یہاں سے سالِک کی بازگشت شروع ہو جاتی ہے ۔ تیسرا دائرہ 'عالمَ جبروت' ہے ، جسے حقیقتِ محمدّیہ اور مرتبہ احدیت کہا جاتا ہے ۔ یہ صفاتِ الٰہی کی عظمت و جلال کا مقام ہے ۔ یہ مرتبہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے ۔ اسی کو صُوفیائے کرام مقامِ تحیرُّ کہتے ہیں ۔ (شریعت و طریقت) ۔

چونکہ عالموں کو دائروں سے تعبیر کیا گیا ہے اور دائرے کا تصوُّر بغیر نقطہ، مرکز کے نہیں کیا جا سکتا ہے ۔ اسی واسطے حلّاج نے تین نقطوں کا بھی ذکر کیا ہے ۔ نقطۂ عرُوج کو فوقانی نقطہ کہا ہے اور اس سے عالمِ ملکوت کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ دوسرا نقطہ زوال ہے جسے وہ تحتانی نقطہ کہتا ہے ۔ اس سے عالمِ ناسُوت مُراد لیا ہے ۔ تیسرا نقطہ مرتبہ احدیت ہے جو صفاتِ الٰہی کے عظمت و جلال کا مقام ہے ۔ اس کو تحیرُّ سے تعبیر کیا ہے ۔

اِن مقامات تک پہنچنا فنائے نفس کے بغیر ناممکن ہے ۔ جس طرح چار پرندے مانوس ہو کر مرنے کے بعد بھی حضرت ابراہیمؑ کے پاس ان کی آواز سُن کر چلے جاتے ہیں اسی طرح اگر حق کے ساتھ اُنس پیدا کر لیا جائے اور اپنی ہستی کو فنا کر دیا جائے تو پھر اس سے جُدائی کیسے ممکن ہے ؟ ۔

یہاں سالک کے قلب پر چار وار داتیں گذرتی ہیں : ۱ : غیبت ، ۲ : غیبت ۳ : ہیبت اور ۴ : حیرت ۔ حلّاج اِن ہی کو حقیقت کے معانی و مطالب

کہتا ہے اور آگے چل کر یہ بھی بتلاتا ہے کہ ان سے بھی زیادہ باریک معنیٰ ان حضرات کے اِشارات ہیں جو ان مقاماتِ رُوحانی کے رمز شناس ہیں اور واقفِ اسرار ہیں۔

حلاج نے یہاں ایک شبہ کا بھی ازالہ کر دیا ہے کہ اگر یہ حقائق سمجھنے میں نہ آئیں تو اس کو فہمِ انسانی کی بے بسی پر محمُول کرنا چاہیے کیونکہ اس پر وہم کے بڑے پردے پڑے ہوئے ہیں۔

اِس طاسین کے آخر میں اس نے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ مقام عالَمِ قدس کا مقام ہے اور تقدس و حُرمت اس کا علم ہے۔ یہ بلند مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ آپ ہی سب سے زیادہ خدا کی طرف رجُوع کرنے والے ہیں۔

باب پانچواں

طاسین النقطہ

۱۔ اور اس سے بھی زیادہ دقیق بیان نقطہ کا ذکر ہے جو اصل ہے اور جو نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے اور نہ فنا ہوتا ہے۔ گویا وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے۔

۲۔ میرا منکر وہ شخص ہے جو دائرۂ برّانی (عالمِ ناسُوت، ظاہری دنیا) تک محدُود ہے۔ چُونکہ اس نے مجھے ظاہری دنیا کے دائرے سے بلند ہو کر نہیں دیکھا۔ اس نے مجھے زندقہ و الحاد سے منسُوب کیا۔ اور مجھ پر بُرائی کا تیر چلایا ہے۔

وہ اس وقت فریاد کرے گا جب میرا رب اس دائرۂ قدس (عالمِ جبروت) میں دیکھے گا جو اس مادی دُنیا سے کہیں بلند و اَرفع ہے۔

۳۔ اور وہ شخص جس کی رسائی دوسرے دائرے یعنی عالمِ ملکُوت تک ہے مجھے ایک عالمِ ربّانی تصوّر کرتا ہے۔

۴۔ اور جو شخص تیسرے دائرے تک پہنچ گیا، یعنی اس کی رسائی عالمِ جبروت تک ہو گئی، اس نے یہ خیال کیا کہ مَیں اپنے مقاصد میں خوش ہوں۔

۵۔ اور وہ شخص جس کو دائرہ حقیقت (عالمِ لاہُوت) تک پہنچنے میں کامیابی ہو جائے وہ مجھے بھُول جاتا ہے اور میری نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔

۶۔ ہرگز نہیں! بھاگ کر کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے۔ اس دن تیرے رب کی طرف ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اس دن آدمی کو بتلا دیا جائے گا جو اُس نے آگے بھیجا ہے اور جو پیچھے چھوڑا ہے۔ (سُورہ قیامت ۷۵: ۱۱-۱۳)۔

۷۔ خبر کی طرف دَوڑتا ہے۔ جائے پناہ کی طرف بھاگتا ہے، چنگاری سے ڈرتا ہے،

دھوکہ کھایا ہے اور اپنے نفس کو ہلاک کیا ہے۔

۸ــــ مَیں نے تصوّف کے پرندوں میں سے ایک پرندہ دیکھا جس کے دو بازو (پنکھ) تھے وہ ان کے ذریعے اُڑ رہا تھا۔ جب اس میں اُڑنے کی سکت نہ رہی تو میرے حال سے انکار کر دیا۔

۹ــــ اس نے مجھ سے مقامِ صفا کے بارے میں سوال کیا، مَیں نے اس سے کہا کہ فنا کی قینچی سے اپنے بازو کاٹ ڈال، ورنہ تو میری پیروی نہیں کر سکے گا۔

۱۰ــــ اِس پر مُرغِ تصوّف نے کہا کہ مَیں بازُوؤں کے ذریعے اُڑ کر اپنے دوست کے پاس جاتا ہوں۔ مَیں نے کہا، "افسوس ہے تجھ پر" اے اُڑنے والے! اس کی مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ سُننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے۔ (سورہ شوریٰ ۴۶ : ۱۱)۔

اس دن وہ فہم کے سمندر میں گر گیا اور ڈوب گیا۔

۱۱ــــ اور دائرے میں فہم کی صُورت یہ ہے۔ ترجمہ اشعار

"مَیں نے اپنے پروردگار کو اپنے دل کی آنکھ سے دیکھا تو کہا "تُو کون ہے۔" جواب دیا "تُو"۔ اے پروردگار تیرے بارے میں "کہاں" کو یہ مجال نہیں ہے کہ وہ دم مارے بلکہ جس جگہ تو ہے وہاں اس کا گذر بھی نہیں ہے۔

زمانے کی یہ مجال نہیں ہے کہ جہاں تو ہے وہاں اس کے گمان کی پرچھائیں پڑ سکے یا وہ جانے کہ تو کہاں ہے؟

تُو وہ ہے جس نے 'کہاں' اور 'کب' کو جس رنگ میں بھی ہو اس طرح دھکیل دیا ہے کہ اَب اس کا وجود باقی نہیں رہا ہے۔ پس تو کہاں ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے۔

۱۲—فہم کی صورت یہ ہے کہ اس کا بھی ایک دائرہ ہے۔ اس دائرہ افکار کا نقطہ اول فہم ہے۔ افکار میں سے ایک قسم حق ہے اور دوسری باطل۔

حلاج نے یہاں سے واقعہ معراج کی جانب بازگشت کی ہے اور نمبر ۱۳ سے نمبر ۲۲ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قرب کا بیان کیا ہے جس کا سورہ نجم میں ذکر ملتا ہے۔

۱۳—آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قلب پر رات گذار دی۔ یعنی آپ معرفت کی بنا پر مقامِ حضور میں رہے۔ آپ نے اپنے نفس سے دوری اختیار کی اور اپنے رب کے قریب ہو گئے۔

اور آپ اپنے اوصاف وصفات کی بنا پر عالمِ قدس کے نزدیک ہوئے اور اپنی ذاتِ عالی کی وجہ قربِ خداوندی کے مستحق ہو گئے۔ دَنٰی اور فَتَدَلّٰی دونوں کے معنیٰ قریب ہونے کے ہیں۔ یہ دونوں لفظ سورہ نجم ۵۳ : ۸، میں آئے ہیں دَنٰی سے قرب اور تَدَلّٰی سے تقربِ خاص مُراد لیا ہے۔ دَنٰی آپ کے اوصاف کی بلندی اور تَدَلّٰی آپ کی رفعتِ ذاتی پر دلالت کرتا ہے۔ سُمُوًّا سے بلندیٔ صفات اور عُلُوًّا سے بلندی ذات مطلوب ہے۔

اِس طرح دَنٰی مقامِ طلب کو ظاہر کرتا ہے اور فَتَدَلّٰی مقامِ شوق کو، یعنی جب آپ نزدیک ہوئے تو طلب کے جذبے سے ہوئے اور جب مزید قریب ہوئے تو شوق کی کیفیت سے ہوئے۔

آپ نے دنیا ومافیہا سے غائب ہوئے تو مرتبہ رویت میں داخل ہوئے اور مقامِ حضور حاصل کیا۔ اس لئے آپ کو پوشیدہ وغائب نہیں کہا جا سکتا۔ آپ کو درجۂ حضور ملا جیسا کہ آپ کا درجہ حضور ہے۔ اور آپ نے دیکھا، جیسا کہ آپ نے دیکھا۔

۱۴—آپ نے عالمِ مُلک سے کنارہ کشی اِختیار کی پھر حقائق ومعارف کو دیکھا۔ جب

صفات وجلالِ الٰہی کو دیکھا تو آپ متحیر ہوئے یعنی مقامِ تحیّر پر فائز ہوئے۔ آپ پر تجلیات و صفاتِ الٰہی کا غلبہ ہوا، پہلے آپ کو مقامِ حضور عطا کیا گیا، پھر آپ نے تجلّی ذات کا مُشاہدہ کیا، آپ کو قرب اور وصل نصیب ہوا۔ پھر آپ جُدا ہوئے۔ یعنی اپنی مراد سے وابستہ ہو گئے اور اپنے دِل (نفس) سے الگ ہو گئے۔ اِس عالم میں "جو کچھ آپ نے دیکھا"، آپ کے دل نے اس کو جھوٹ نہیں کہا۔ (۵۳ : ۱۱)

۱۵۔ آپ کو (عالمِ ناسُوت سے) اوجھل کیا پھر (عالمِ ملکوت کا) قرب بخشا۔ آپ کو ولایتِ حق کا رُتبہ دیا، پھر (محبّت) خاص کا مقام عطا کیا۔ آپ کو نعمتوں سے سیراب کیا، پھر رُوحانی تربیّت فرمائی۔ آپ کو پاک و صاف کیا پھر برگزیدہ بنایا۔ آپکو بُلایا پھر مجلسِ قدس کا جلیس بنایا۔ آپ کو آزمایا پھر شعار عطا فرمائی۔ آپ کو محفوظ کیا پھر مرکب (معراج کی سواری، بُراق) پر سوار فرمایا۔

۱۶۔ جب آپ نے رجوع کیا اور آپ کو اِدراک حاصل ہو گیا تو آپ "قَابَ" (علامتِ قُرب) کے مصداق ہو گئے اور جب آپ کو بُلایا گیا تو آپ نے جواب دیا۔

آپنے تجلّیاتِ ربّانی کو دیکھا تو اس مادّی دنیا سے پوشیدہ ہو گئے۔ آپ نے معرفتُ طاعت کی لذّت و چاشنی کے شیریں جرعات نوش کئے اور آپ اس سے روحانی طور پر مسرور و شاداں ہوئے۔ آپ کو قُربِ خداوندی حاصل ہوا اور جلالِ الٰہی سے آپ پر ہیبت طاری ہوئی۔

آپ نے اپنے علاقے، اپنے دوستوں، اپنے اسرار، اپنی معلُومات اور تمام آثارِ بشریہ سے مفارقت اختیار کرلی۔

۱۷۔ "تمہارے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں بھٹکے"۔ (سورہ نجم ۵۳ : ۲)
آپ کے بارے میں نہ بیماری کا گمان کیا جا سکتا ہے اور نہ ملال کا۔ یعنی آپ معراج کے موقعہ پر نہ بیمار ہوئے اور نہ افسردہ، نہ آپ کی چشمِ مُبارک اَینَ (کہاں، کب)

سے بیمار ہوئی اور نہ آپ کے وقت پر افسردگی کی پرچھائیں پڑی۔

۱۸۔ ہمارے معاملات و متعلقات میں "تمہارے ساتھی نہیں بھٹکے" ہمارے مشاہدے کے وقت ذکر کے "باغ" میں تمہارے ساتھی نہیں بھٹکے، اور فکر کی گردش میں بے راہ نہیں چلے۔

یعنی تمہارے ساتھی نے تجلّیٔ ذات کے مشاہدے میں غلطی نہیں کی اور ہمارے قرب اور ہماری رسالت کے سلسلے میں بے راہ نہیں ہوئے اور انہوں نے ہمارے معاملے میں کسی اور کو شریک یا مثال نہیں ٹھہرایا۔ ذکر میں آپ سے بھول چوک نہیں ہوئی، فکر میں آپ سے کوئی لغزش سرزد نہیں ہوئی۔

۱۹۔ اس کے برعکس وہ ہر گھڑی اور ہر لمحہ حق تعالیٰ کے لئے ذاکر رہے اور اس کی طرف سے انعامات ہوں یا تکالیف، دونوں پر بہر صورت شاکر رہے۔

۲۰۔ یہ نہیں ہے مگر وہ وحی جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے۔(۴ : ۵۳)۔

ایک نور سے دوسرے نور تک سلسلہ ہے۔ اس میں نورِ اوّل سے اشارہ غالباً سورہ نور، ۲۴ : ۳۵، کی جانب ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے"۔ نورِ ثانی سے اشارہ سورہ مائدہ، ۵ : ۱۵، کی طرف ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: "بیشک خدا کی طرف سے تمہارے پاس نور (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی) اور کھلی کتاب آئی ہے"۔

۲۱۔ آپ نے کلام کو بدل دیا، یعنی اس کو حقائق کا ترجمہ دیا اور اوہام کی دنیا سے اوجھل ہو گئے۔ مخلوقات اور لوگوں سے بلند ہو گئے اور ان سے نظم و ضبط منقطع کر لیا۔

اے سالک: تو بھی سرگشتہ و حیرت زدہ عشاق کی جماعت میں شامل ہو جا اور امورِ باطن پر دیدہ ور ہو جا۔ تاکہ تو بھی عالمِ بالا کے پہاڑوں اور وہاں کی گھاٹیوں کا

پرندہ بن جائے۔ ایسے پہاڑ جو فہم کے ہیں اور ایسی گھاٹیاں جو سلامتی کی ہیں۔ پھر تو وہ دیکھے جو تجھے دیکھتا ہے اور تو حرمت والی مسجد سے روزے کی ایک تیز تلوار ہو جائے۔

۲۲ — اس کے بعد آپ اس طرح قریب ہوئے جس کو معنوی قرب کہتے ہیں پھر آپ ایک تیز چلنے والے کی طرح رُکے۔ ایک بے بس کی مانند نہیں رُکے۔ پھر تہذیب کے مقام سے تادیب کے مقام تک پہنچے اور تادیب کے مقام سے تقریب کے مقام تک تشریف لے گئے۔

چنانچہ آپ طالب کی حیثیت سے قریب ہوئے اور مشتاق کی حیثیت سے مقرب ہوئے۔ ایک داعی[1] کی حیثیت سے قریب ہوئے اور ہم نشین کی حیثیت سے مقرب ہوئے۔ ایک جواب دینے والے کی حیثیت سے قریب ہوئے اور قرب خاص کی وجہ سے مُقرّب ہوئے اور شہید[2] و گواہ کی حیثیت سے قریب ہوئے اور ایک صاحب مشاہدہ کی حیثیت سے مقرب ہوئے۔

یہاں علی الترتیب دَنٰی سے مقامِ طلب اور فَتَدَلّٰی سے مقامِ اشتیاق، پھر دعوت و ندا، بعد ازاں اجابت و قرب اور آخر میں شہادت و مشاہدہ مراد ہیں

۲۳ — پھر آپ قَابَ قَوْسَیْنِ (دو کمانوں کے درمیان کے فاصلہ) کا مصداق ہو گئے (۵۳: ۹)۔ آئنَ اَینَ حرفِ استفہام (کہاں، کب) کو بین (جُدائی) کے

---

[1] سورہ احقاف ۴۶، آیات: ۳۱ اور ۳۲، میں آپ کو داعی خدا کہا گیا ہے۔ "اے ہماری قوم اللہ کی طرف بُلانے والے کی بات مان لو! الخ۔

[2] سورہ نساء ۴، آیت: ۴۱ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید (گواہ) بھی کہا گیا ہے۔ "پھر اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ بُلائیں گے اور آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان مسلمانوں پر گواہ لائیں گے۔"

تیر سے پھینک دیا۔ قوسین (دو کمانوں، یعنی انتہائی قریب) کو ثابت کر دیا تاکہ اَینَ (کہاں) کے مفہوم کی صحت کو قائم کیا جا سکے۔ چنانچہ آپ حق کی خاطر مخلوق سے پوشیدہ ہو کر حقیقۃ الحقیقۃ کے اور بھی قریب ہو گئے۔

اَینَ حرفِ استفہام ہے جو مکان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ زمان و مکان سے ماوراء ہے اس لئے حلاج نے یہ بتلایا ہے کہ "کہاں" کی گنجائش اس عالم میں نہیں ہے۔

اس کے ساتھ کوئی نہیں اور وہ ہر ایک کے ساتھ ہے۔ "جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے"۔ "جدھر تم منہ کرو گے اُدھر ہی خدا کا چہرہ (ذات) ہے (۲:۱۱۵)۔

اس بیان سے ایک طرف تو "این" (کہاں) کا تصوّر باقی نہیں رہا۔ دوسری طرف "بَین" (جُدائی) کا عالم ہٹ گیا اور سالک کو مقامِ قرب حاصل ہو گیا۔

۲۴— نادرِ روزگار، عالمِ بے مثال حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۲۵— مَیں ہرگز یہ گمان نہیں کرتا ہوں کہ ہمارے کلام کو سوائے اس شخص کے جو قوسِ ثانی تک پہنچا ہے، کوئی اور سمجھ سکے اور قوسِ ثانی، لَوح کے علاوہ ہے۔

۲۶— اور اس کے کچھ حروف ہیں جو عربی حروف سے جُدا ہیں۔ یعنی یہ ایسے حُروف ہیں جن کو نہ عربی کہا جا سکتا ہے نہ عجمی۔

۲۷— صرف ایک حرف ایسا ہے جو میم ہے۔ اِس میم سے مَا اَوْحٰی (۵۳-۱۰) کا میم مُراد لیا گیا ہے۔ مُفسّرین مَا کو تعمیم کا بتلاتے ہیں۔ اس میں تخصیص نہیں ہے۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس کو شرقی، غربی، عربی اور عجمی نہیں کہا جا سکتا ہے۔

۲۸— یہی میم ہے جو آخری اسم (علامت) ہے۔ یعنی یہ میم "قوسِ ثانی" کی آخری علامت ہے۔ اور "قوسِ ثانی" سے عالمِ ملکوت مُراد ہے۔

۲۹— اسی کو "قوسِ اوّل" کی زہ سمجھنا چاہیے۔ گویا "قوسِ ثانی" جو دوسرے

لفظوں میں عالمِ ملکوت ہے۔ وہی "قوسِ اول" کی زہ ہے اور "قوس اوّل"، "عالمِ جبروت" ہے۔ اگر قوسِ اوّل کو جبروت اور قوس ثانی کو ملکوت کہیں تو مرتبۂ صفاتِ الٰہی ان دونوں قوسین کی زہ ہوگا اور تجلّی ذات کا مقامِ خاص جسے صوفیاءِ کرام سہمِ قدم (ہمیشگی کا تیر) کہتے ہیں۔ ان قوسین کا تیر کہلائے گا۔

حلاج نے اُوپر کہا ہے کہ ہمارے کلام کو وہ شخص نہیں سمجھ سکتا جس کی رسائی قوسِ ثانی تک نہ ہوئی ہو۔ یعنی جس پر عالمِ ملکوت کے اسرار منکشف نہ ہوئے ہوں۔ یہ عالمِ لوح کے علاوہ ہے۔ غالباً لوح سے مُراد عالمِ مثال ہے۔

اُوپر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اہلِ کشف کو غیب کے عالم، دائروں کی صُورت میں نظر آتے ہیں اور دائرہ قوس (کمان) کے مشابہ ہوتا ہے۔ پس یہ دو عالم یعنی "جبروت" و "ملکوت" دو کمانیں ہیں ان میں سے جبروت کو حلاج نے پہلی کمان اور ملکوت کو دوسری کمان کہا ہے اور چونکہ ہر قوس کے لئے ایک زہ (کمان کی تانت) ضروری ہے اس واسطے 'مرتبہ صفات' کو دونوں قوسین کی زہ بتلایا ہے اور کمان کی رعایت سے صفتِ قدم (ہمیشگی) کو تیر قرار دیا ہے۔ قدم یعنی ہمیشگی ایک ایسی صفت ہے جو حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مُتصف ہے۔

۳۰ ---------------

۳۱ ــ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کلام کی خوبی مقامِ قرب کے معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ پس وہی معنی عُمدہ اور بہتر ہوں گے جو حق کی حقیقت کے لئے شایانِ شان ہوں۔ مخلوق کے طور طریقوں کے لئے نہ ہوں اور مقامِ قرب نگہداشت کی ایک دُنیا ہے۔

۳۲ ــ حقائق یعنی عالمگیر اصُول کا سچّا ثابت ہونا ہی حقیقت ہے۔ خواہ وہ اصول کتنے ہی باریک کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ دقیق سے دقیق معنیٰ کا کھولنا حقیقت ہے۔ یہ بات

سابقہ زمانوں کے مشاہدے کی شناخت اور بلند تجربات سے پیدا ہوتی ہے اس کیلئے ضروری ہے
کہ ایک آرزومند اور طالب تریاق جیسا وصف رکھتا ہو۔ ان حقائق کی تلخیوں کی کاٹ وہی
تریاق کر سکتا ہے۔ وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ سالک دنیاوی تعلقات کو اپنی نظروں
کے سامنے توڑ دے۔ حوادث و مصائب کے بستروں پر لوٹے اور سختیوں اور تکلیفوں کے
سلسلہ کو جاری رکھے۔ ان باریکیوں کو کھول کر بیان کرنے کے لئے کھری اور مبنی بر خلوص
بات کی ضرورت ہے۔ جو عام راستوں سے ہٹ کر خاص طریق سے لوگوں کی حیثیت
کو سامنے رکھ کر بیان کی گئی ہو۔

اور قرب سے مراد ایسا مقام ہے جو اپنے معنیٰ میں وسیع مگر پوشیدہ مفہوم رکھتا
ہے جسے ایک معنی پرست ہی سمجھ سکتا ہے۔ ایسا معنوی جو اپنے آپ کو جہالت و نادانی
کے بیان سے نکالنے والا اور حقائق کے آبِ شیریں سے سیراب کرنے والا ہو۔ اور
جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتِ کاملہ ہو۔

۳۳۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ معاصی
سے پاک اور رذائل سے بے عیب ہوتا ہے۔ پوشیدہ کتاب میں جسے لوح اور علمِ الٰہی کہتے
ہیں وہ محفوظ و مامون ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی لکھی ہوئی کتاب
میں (سورہ طور، ۵۲ : ۲) بیان کیا ہے۔ ایسا ہی شخص پرندوں کی بولیوں کے مفہوم پر بھی
مطلع ہوتا ہے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کو ہم نے "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ" یعنی انتہائی قرب
کے درجے تک پہنچایا ہے جو مقامِ عینیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس کو
مطمحِ نظر بنائے۔

۳۴۔ اے مشتاق! اگر تو واقعی سمجھنا چاہتا ہے تو سمجھ کر آقا، اہل (سزاوار شخص)
کے علاوہ کسی اور سے خطاب نہیں کرتا ہے اور کسی اہل کے ذریعے ہی کسی اہل سے
خطاب کرتا ہے یا اس اہل سے متعلق کوئی شخص ہو اس سے کلام کرتا ہے۔

۳۵۔ ایسے شخص کا نہ کوئی اُستاد ہوتا ہے نہ شاگرد، نہ اس کے پاس کوئی اختیار ہوتا ہے نہ تمیز کی کوئی طاقت ہوتی ہے۔ نہ کسی سے کوئی بات چھپاتا ہے، نہ کسی کو آگاہ کرتا ہے، نہ اس کے ذریعے سے کوئی چیز ہوتی ہے نہ اس کی طرف سے کوئی بات ہوتی ہے۔ بلکہ جو کچھ ہے اسی میں ہے۔ "وہ" ہی اس میں ہے اور اس میں کچھ نہیں ہے۔ بیابان، دربیابان اور آیت در آیت کی شان اسی میں ہے۔

۳۶۔ اقوال اس کے معانی اور معانی اس کے مقاصد ہیں۔ اس کا مقصد دُور ہے، اس کا راستہ سخت ہے۔ اس کا نام بزرگ ہے۔ اس کا نشان یکتا ہے۔ اس کی شناخت اس کا عام ہونا ہے اور اس کا عام ہونا ہی اس کی حقیقت ہے۔ اس کی قدر و منزلت اس کے عہد کی مضبوطی ہے۔ اس کا نام اس کا دستُور ہے۔ اس کی علامت اس کی آتشِ شوق ہے اور اس کا شغف اس کی صفت ہے۔

۳۷۔ عزّت اس کی تعریف ہے۔ تمام سورجوں کی دنیائیں اس کا ایک میدان ہیں۔ ساری زندگیاں اور ہستیاں اس کا ایک محل ہیں (شیطان اس پر مطّلع نہیں ہے)۔ زندگی نے اس سے اُنس حاصِل کیا ہے۔ عالمِ ناسُوت اس کا بھید ہے۔ اس کی شان نامعلوم ہے۔ اس کا ناپید آشکارا ہے۔ مَسرّت اس کا باغ ہے اور رسُوم و عادات کا مِٹ جانا اس کی بُنیاد ہے۔

۳۸۔ اس کے مددگار پناہ والے ہیں، اس کے اصول اللہ کی نوازش اور اس کا کرم ہیں۔ اس کا ارادہ پوچھا ہوا ہے۔ اس کے حامی منزل والے ہیں۔ اس کے رنج و غم شدّت والے ہیں۔ اس کا گرد و پیش دھیما ہے۔ اس کا درد لگاتار ہے۔

۳۹۔ اس کا قول اصول ہے۔ یہی ہے جو ہمارے لئے کافی ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حیاتِ انسانی کے لئے قہر و غضب ہے۔ بعدازاں خدائے قُدّس کی طرف سے توفیق ہے اس کے صحیفے مسلک والے ہیں۔ اس کے خزانے خاکی، اس کا قول اس کی حالت کا

اصول ہے۔ یہ عاجز اور اس کے علاوہ، سب قہر و آفت ہے۔ محض وہی ہے جو اس عاجز کے لئے کافی ہے۔

حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اس طاسین میں اس بات پر زور دیا ہے کہ ایک دنیادار جو "عالمِ ناسوت" میں گرفتار ہے، مجھے بُرا بھلا کہتا ہے۔ البتہ جو دائرہ ملکوت تک پہنچ جائے وہ میرا منکر نہیں ہوگا اور جس پر "عالمِ جبروت" کے اسرار کھل جائیں، وہ مجھے ایک عالمِ ربّانی کہے گا۔ اس سے بھی اُوپر ایک عالَم ہے جسے عالَمِ لاہوت کہتے ہیں۔ اگر کسی کی رسائی وہاں تک ہو بھی جائے تو اس پر میرا مقام کھل جاتا ہے۔

وہاں وہ میرے سامنے نہیں ٹھہر سکتا مگر وہ راہِ فرار اختیار کر کے کہاں جائے گا کیونکہ سب کا مقر و مُستقر پروردگار کی طرف ہے۔ قیامت میں سب وہیں ہوں گے۔

البتہ کچھ خاص بندے ایسے ہیں جنہیں یہ مقام اسی دنیا میں مل جاتا ہے۔ چنانچہ سب سے زیادہ قربِ خداوندی کا شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہوا ہے۔ اور واقعہ معراج اس کی کھلی دلیل ہے۔ اس عظیم تقرّب کے ہوتے ہوئے بھی آپ ہر لمحہ اور ہر لحظہ مستقیم رہے اور مسلسل ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے رہے۔ چنانچہ آپ عالَمِ ناسُوت و ملکوت و جبَروت سے گذر کر مقامِ لاہوت تک تشریف لے گئے اور جو قربِ خُداوندی آپ کو حاصل ہوا وہ کسی اور کے حصّہ میں نہیں آیا۔

پھر اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نسبتِ کاملہ رکھتا ہو، آپ کی سُنّت اور طریق کا پابند ہو اور دنیا اور اس کی لذّتوں اور آسائشوں سے ہاتھ اُٹھا چکا ہو تو کیا بعید ہے کہ ایسے شخص کو اس دولتِ بیدار سے کچھ حصّہ نہ ملے۔

حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رُوحانی اِرتقا اور قربِ خداوندی کے لئے جابجا واقعہ معراج ہی کو دلیل بنایا ہے۔

باب چھٹا

طاسین الازل والالتباس

۱۔ یہ طاسین معنوں کے مقابلہ میں دعووں کی صحت کے بارے میں ہے۔
اپنے وقت کے نادر عالم ابوالمغیث حسین بن منصور حلاج کا ارشاد ہے کہ کسی کا دعویٰ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابلیس کے سوا پورا نہیں اُترا۔ فرق صرف یہ ہے کہ ابلیس مقام ذات (عالمِ لاہوت) سے گر پڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ذات مُطلق کا مقام منکشف کر دیا گیا۔

۲۔ ابلیس سے کہا گیا "سجدہ کر" اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا "دیکھیے" اس نے سجدہ نہیں کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں دیکھا، یعنی آپ نے دائیں اور بائیں جانب التفات نہیں فرمایا۔ چنانچہ سورہ نجم ۵۳-۱۷ میں ہے "نگاہ نہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی"۔ اس میں "مَا زَاغَ" سے دائیں طرف التفات اور "مَا طَغٰی" سے بائیں جانب التفات مُراد لیا گیا ہے۔ یعنی آپ کسی طرف مُلتفت نہ ہوئے بلکہ مستقیم رہے۔

۳۔ ابلیس نے دعویٰ تو کیا لیکن اپنی طاقت اور قوت کے ذریعے دعویٰ کی ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکا۔

۴۔ اس کے برخلاف احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعویٰ کیا اور اپنی قوت سے لوٹ آئے۔ یعنی آپ نے اس کو نبھایا۔

۵۔ چنانچہ آپکا قول ہے کہ "تیری طرف پلٹتا ہوں اور تجھ سے ہی غلبہ حاصل کرتا ہوں"۔

آپ فرماتے ہیں کہ "اے خدا، تُو ہی دلوں کو پھیرنے والا ہے"۔ اسی طرح آپ کا ارشاد

ہے کہ "اے اللہ! مَیں تیری تعریف کا شمار اور احاطہ نہیں کر سکتا۔"

۶ — اور آسمان والوں میں ابلیس جیسا کوئی مُوحّد اور عابد نہیں ہے۔

۷ — چونکہ ابلیس پر مقامِ لاہوت یعنی حقیقتِ ذات مُتغیّر ہو گئی۔ پھر بھی اس نے سیرفی اللہ کے مقام میں تمام لمحات و ساعات کو ترک کر دیا اور مقامِ راز میں مفارقت اختیار کر لی اور زوائد کو چھوڑ کر معبودِ واحد کی پرستش اختیار کی۔

۸ — اور اس پر لعنت کی گئی جب وہ مقامِ تفرید (ماسوا سے علیٰحدگی) تک پہنچا اور اسے دھتکار دیا گیا۔ جب اس نے مزید طلب کیا اور انفرادیت کا خواہشمند ہوا۔

۹ — اس سے کہا گیا "سجدہ کر" جواب دیا "غیر کا وجود ہی نہیں"۔ حق تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ "میری لعنت قیامت تک تجھ پر رہے گی۔" اس نے پھر کہا، غیر کا وجود ہی نہیں۔"

۱۰ — ترجمہ اشعار:

میری سرکشی تیرے بارے میں پاکیزگی ہے اور میری عقل تیرے بارے میں ایک دیوانگی ہے اور آدم بھی تیرے سوا کہاں ہے؟ اور درمیان میں ابلیس ہوتا کون ہے؟۔

۱۱ — وہ بڑائی کے سمندر میں گر پڑا۔ ایسا نابینا ہو گیا اور کہنے لگا تیرے غیر کی طرف میرے لئے کوئی راستہ نہیں ہے اور مَیں ایک ایسا محبت کرنے والا ہوں جو ذلیل و راہ نما ہے۔ حق تعالیٰ نے اس سے کہا کہ "تو نے تکبّر کیا"۔ اس نے کہا "اگر تیرے ساتھ مجھے ایک لمحہ بھی میسّر آ جائے تو میرے لئے تکبّر و عظمت سزاوار ہے اور میں ہی ہوں جس نے ازل میں تجھے پہچانا ہے۔ مَیں اس سے بہتر ہوں اور خدمت میں اس سے قدیم ہوں اور کائنات میں مجھ سے زیادہ تجھے پہچاننے والا کوئی نہیں ہے۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ مَیں اس کو سجدہ کروں۔ کیونکہ مَیں نے بہت زمانے تیرے ساتھ گزارے ہیں۔ وہ مجھ سے زیادہ عزیز اور بزرگ نہیں ہے۔"

(۷ : ۱۱) ۔ میرے لئے تیرے بارے میں ایک ارادہ ہے اور تیرے لئے میرے بارے

میں ایک اِرادہ ہے اور تیرا ارادہ میرے بارے میں سابق ہے اور فوقیت رکھتا ہے۔ مَیں تیرے غیر کو کس طرف سجدہ کروں۔ اگر مَیں نے سجدہ نہیں کیا تو میرے لیئے اپنی اصل کی طرف لوٹنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ تُو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آگ اپنی اصل یعنی آگ کی طرف لوٹتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تمام اندازہ اور اختیار تیرے ہاتھ میں ہے۔

۱۲۔ (بحرِ طویل) میرے لیئے تیری دُوری کے بعد اَب اور کوئی دُوری اور جُدائی نہیں ہے جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ دُوری اور نزدیکی ایک ہے۔ اگر مَیں جُدا کر دیا گیا ہوں تو بلاشبہ تیری جُدائی میرا ساتھی ہے اور ہجر و محبت دونوں کیسے ایک صحیح ہو سکتے ہیں۔ تیرے لیئے اس توفیق عطا کرنے پر بھی پُرخلوص تعریف ہے۔ میری دُوری اور جُدائی کا سبب میری لغزش ہے۔ مَیں ایک بے عیب بندہ ہوں۔ میرے لیئے یہ سزاوار نہیں ہے کہ مَیں تیرے غیر کا سجدہ گزار بنوں۔

۱۳۔ مُوسیٰ علیہ السلام کوہِ طور کی ایک گھاٹی پر ابلیس سے ملے تو اس سے کہا، اے ابلیس کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا تھا؟ ۔ اس نے کہا، مجھے میرے اس دعوے نے سجدہ سے باز رکھا کہ معبود صرف ایک ہی ہے اور اگر مَیں آدم کو سجدہ کرتا تو میری مثال بھی آپ جیسی ہوتی۔ کیونکہ آپ کو ایک ہی دفعہ پکارا گیا۔ اُنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ (اے مُوسیٰ، پہاڑ کی طرف دیکھ، ۷ : ۱۳۹)، تو آپ نے دیکھا اور مجھے ایک ہزار دفعہ پکارا گیا کہ آدم کو سجدہ کر، مگر مَیں نے اپنے دعوے کی معنویت کی وجہ سے سجدہ نہیں کیا۔

۱۴۔ مُوسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو نے ایک حکم کو ترک کر دیا ہے۔ جواب دیا کہ وہ ایک آزمائش تھی اس کو حکم نہیں کہنا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ اَب تیری حالت اور صورت بدل گئی۔ ابلیس نے کہا یہ سب ایک قسم کا پردہ اور چھپانا ہے اور "حال" سو اس کے اُوپر بھی بھر وسہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ ایک حالت سے

دوسری حالت میں بدلتا رہتا ہے اور معرفت ایک ہی حال پر صحیح قائم رہتی ہے۔ جیساکہ وہ سابقہ طور پر تھی۔ کیونکہ وہ نہیں بدلتی ہے۔ یہ شخص ہے جو بدل جاتا ہے۔

۱۵۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ کیا اب تُو اسے یاد کرتا ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ اے موسیٰ یہ فکر کا مقام ہے، ذِکر کا مقام نہیں ہے۔ اس مقام پر یاد نہیں کرتے ہیں۔ مَیں بھی مذکور ہوں وہ بھی مذکور ہے۔ (مَیں بھی یاد کیا جاتا ہوں، وہ بھی یاد کیا جاتا ہے۔) اس کا ذکر میرا ذکر اور میری یاد اس کی یاد ہے۔ کیا ذکر کرنے والے اکٹھے ہوتے ہیں۔

میری خدمت اَب زیادہ صاف اور واضح ہے۔ میرا وقت اَب زیادہ اچھا اور خوشگوار ہے اور میری یاد اب زیادہ روشن اور عام ہے۔ کیونکہ مَیں ہمیشگی (ازل) میں اس کی خدمت اپنے حصّے اور نصیب کی خاطر کرتا تھا۔ لیکن اب اس کی خدمت اسی کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے کرتا ہوں۔

۱۶۔ میں نے الجھ درمیان سے اُٹھادی ہے۔ نفع و نقصان اور روک ٹوک کا جھگڑا ختم ہوگیا۔ مجھے منفرد کردیا، مجھے یگانۂ زمانہ بنادیا، مجھے حیرت میں ڈالا اور مجھے دھتکارا۔ تاکہ میں مخلص حضرات سے گھُل مِل نہ سکوں۔ میرے جذبۂ غیرت کی بنا پر اغیار کے ساتھ ملنے سے مجھے روک دیا۔ میرے مقامِ حیرت کی بنا پر مجھے متغیّر کردیا۔ میری اجنبیّت اور انفرادیت کی وجہ سے مجھے حیرت میں ڈالا، میری ہمنشینی کی سبب مجھے باز رکھا۔ میری خوبی کی بنا پر مجھ میں بُرائی ڈالی۔ میرے ہجر کی وجہ سے مجھے محروم و ناامید کیا، میرے مکاشفہ کی وجہ سے مجھے چھوڑا۔ میرے مقامِ وصل کے سبب مجھے آشکارا کیا۔ مجھے منقطع کرنے کے لئے مقامِ وصل دیا اور میری آرزو کو روکنے کی خاطر مجھے الگ کیا ہے۔

۱۷۔ اور اس کے حق میں مَیں نے کسی تدبیر کے سلسلے میں کوئی خطا نہیں کی ہے نہ مَیں نے اس کی تقدیر کو رد کیا ہے اور نہ اس صورت حال کے بدلنے پر مَیں نے فخر کیا ہے۔ ان تمام

اندازوں میں میرے لئے خدا کی مشیئت اور تقدیر ہے۔

اگر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھی مجھے جہنم کی آگ سے عذاب دے تب بھی مَیں غیر کو سجدہ نہیں کروں گا اور نہ کسی جسم اور شخص کے سامنے جھکوں گا۔ مَیں اس کا کوئی مدِّ مقابل نہیں پہچانتا ہوں اور نہ مَیں کوئی اس کا بیٹا مانتا ہوں۔ میرا دعویٰ سچے لوگوں کا دعویٰ ہے اور مَیں اپنی محبت میں سچے لوگوں میں سے ہوں۔

۱۸۔۔ حلاج نے، اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، کہا ہے کہ عزازیل یعنی ابلیس کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ آسمان میں بھی داعی ہے اور زمین میں بھی داعی ہے۔ آسمان میں وہ فرشتوں کو بلاتا ہے تاکہ وہ انہیں اچھائیاں دکھادے اور زمین میں انسانوں کو بلاتا ہے تاکہ انہیں برائیاں دکھائے۔ جہاں تک بندگی و طاعت کا تعلق ہے وہ آسمانوں میں فرشتوں کا معلّم تھا۔

۱۹۔۔ یہ اس لئے کہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ جس طرح ریشمی کپڑے کے سفید ٹکڑوں کو سیاہ پلاٹ کے ساتھ پیوست کر دیا جائے، وہ پہچانے جاتے ہیں فرشتہ اچھائیاں پیش کرتا ہے اور نیک کردار انسان سے کہتا ہے کہ اگر تو ان کو کرے گا تو اس میں واضح اشارہ ہے کہ تجھے اس کا بدلہ ملے گا اور جو شخص بد کو نہیں پہچانتا وہ خوب کو بھی نہیں جانتا ہے۔

۲۰۔۔ ابو عمارہ حسین بن منصور حلاج اپنے زمانے کے نادر عالم شطحیات میں کہتے ہیں:

مَیں نے فتوت (جوانمردی) کے بارے میں ابلیس اور فرعون سے مناظرہ و مقابلہ کیا ہے۔ پس ابلیس نے مجھ سے کہا کہ اگر مَیں سجدہ کرتا تو جوانمردی کے لفظ کا مجھ پر اطلاق نہ ہوتا۔ پھر فرعون نے کہا کہ اگر مَیں اس کے رسول (موسیٰ) پر ایمان لے آتا تو مَیں جوانمردی کے مرتبے سے گر پڑتا۔

۲۱۔۔ اور اس کے بعد مَیں نے کہا کہ اگر مَیں اپنے قول اور دعوے سے پھر جاؤں تو مَیں

جوانمردی کے مقام سے گر پڑوں گا۔

۲۲۔ ابلیس نے کہا " مَیں اس سے بہتر ہوں " (۷ : ۱۱) کیونکہ اس نے اپنے علاوہ کسی غیر کو نہیں دیکھا۔ اسی طرح فرعون نے کہا " مَیں تمہارے بارے میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی مَعبُود ہو " (۲۸ : ۳۸)

جب اس نے یہ معلوم کر لیا کہ اس کی قوم میں اب کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو حق و باطل یا معبود و مخلوق میں تمیز کر سکے۔

۲۳۔ اور مَیں کہتا ہوں کہ اگر تم نے اس کو نہیں پہچانا تو اس کے اثر (علامت، نشان) کو پہچان لو اور وہ اثر میں ہوں۔ اور مَیں حق ہوں (انا الحق) کیونکہ مَیں ہمیشہ فی الواقع حق کے ساتھ رہا ہوں۔

۲۴۔ پس اس میدان میں میرے ساتھی اور میرے اُستاد ابلیس اور فرعون ہیں۔ چنانچہ ابلیس کو آگ میں ڈالا گیا لیکن وہ بھی اپنے دعوے سے باز نہیں آیا اور اس نے قطعاً کسی واسطے سے اقرار نہیں کیا۔

(البتہ فرعون نے یہ ضرور کہا ہے ، " مَیں ایمان لایا کہ کوئی نہیں معبُود مگر وہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں " (۱۰ : ۹۰) اور کیا تُو نہیں دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ مُباحثہ کیا ہے کہ کیوں تُو نے اس کے چہرے کو خاک آلودہ کیا ہے "

) ۔

۲۵۔ اور اگر مجھے قتل کریں یا سُولی پر لٹکائیں یا میرے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں تب بھی مَیں اپنے دعوے سے باز نہیں آؤں گا۔

۲۶۔ ابلیس کا اِسم اُس کی ذات ہی سے نکلا ہے۔ پھر وہ " عزازیل " سے بدل دیا گیا۔ اس لفظ میں " ع " کا تعلّق اس کی ہمت سے ہے اور پہلی " ز " طلب میں زیادتی اور اضافہ کے لئے ہے۔ " الف " سے مُراد اس کی اُلفت میں اضافہ ہے

دوسری "ز" اس کے مرتبۂ زُھد کو ظاہر کرتی ہے اور "ی" اس کی جائے پناہ کی طرف اِشارہ کرتی ہے، جب وہ پناہ چاہتا ہے۔ "لام" کا اِشارہ اس لڑائی اور جدوجہد کی جانب ہے جس کو وہ اپنی آزمائش میں جاری رکھنا چاہتا ہے۔

مختصر یہ کہ 'ع' علاقہ کے لئے، پہلی 'ز' زیادتی طلب کے لئے، 'الف' اُلفت کے لئے اور دوسری 'ز' زُھد کے لئے، 'ی' یاوی (وہ پناہ لیتا ہے) کے لئے اور 'ل' مجادلہ کے لئے ہے۔

۲۷— پروردگار نے اس سے کہا کہ اے ذلیل وخوار کیا تُو سجدہ نہیں کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ مَیں مُحب (محبّت کرنے والا) ہوں اور محبّت کرنے والا ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ اور مَیں نے کتابِ مُبین (قرآن مجید) میں بھی لفظ (ذلیل وخوار) پڑھا ہے (۴۸ : ۱۰)۔

اے زبردست قوت والے! وہ کیا چیز ہے جو میرے لئے جواز پیش کرتی ہے کہ اس کے لئے فروتنی کردوں۔ یعنی آدم کو سجدہ کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ تُو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تُو نے مٹّی سے پیدا کیا ہے۔ (۷ : ۱۲) اور یہ دونوں ضدیں ہیں جو آپس میں موافقت نہیں کرتی ہیں۔ جہاں تک مقابلہ کا تعلق ہے، مَیں خدمت میں اس سے زیادہ قدیم، فضل وکمال میں اس سے بزرگ، علم ودانش میں اس سے زیادہ دانا اور عمر میں اس سے زیادہ کامل ہوں۔

۲۸— حق تعالیٰ شانہٗ نے اس سے کہا کہ اختیار میرے لئے ہے۔ تیرے لئے نہیں ہے اس نے جواب دیا کہ تمام اختیارات بلکہ میرا اختیار بھی سب کے سب تیرے لئے ہیں اے مالک وخالق! بلاشک تو نے میرے لئے جو پسند کیا ہے، ٹھیک کیا ہے۔ اگر تُو نے مجھے اس کو سجدہ کرنے سے روکا ہے تو تیری ذات بلند ہے اور اگر مَیں نے گفتگو میں کوئی خطا کی ہے تو مجھے ترک مت کر، کیونکہ تُو سب کچھ سُننے والا ہے۔ اور اگر تُو نے

یہ چاہا ہے کہ مَیں اسے سجدہ کروں تو پھر مَیں فرمانبردار رہوں۔ عُرفاء کی جماعت میں کوئی شخص مَیں ایسا نہیں جانتا ہوں جو مجھ سے زیادہ تجھے پہچاننے والا ہو۔

۲۹۔ مجھے ملامت نہ کر۔ کیونکہ ملامت کا شیوہ مجھ سے بعید ہے اور میرے آقا! مجھے بدلہ دے کیونکہ مَیں اپنے مقام میں یکتا ہُوں۔ بلاشبہ جہاں تک تیرے وعدے کا تعلّق ہے، تو وہ ایسا وعدہ ہے جو یقیناً سچّا ہے اور جہاں تک میرے معاملہ کا تعلّق ہے تو اس کا آغازِ کار سخت ہے۔ جو حضرات بھی کوئی تحریر چاہتے ہیں ان سے میری گذارش ہے کہ دوستو! پڑھو۔ اور معلُوم کرو ——— کہ فی الواقع مَیں شہید ہیں۔

۳۰۔ نے میرے بھائی ابلیس کا نام عزازیل اس لئے رکھا گیا کہ اس کی علیحدگی اختیار کی اور اپنے عُہدۂ ولایت سے معزُول ہوگیا۔ وہ اپنے آغاز سے انجام کی طرف نہیں لوٹا اس لئے کہ وہ اپنے مقامِ نہایت سے نکلا ہی نہیں ہے اور ابتدا ہی سے شقی (بدبخت) نکلا ہے۔

۳۱۔ اس کا نکلنا دراصل اپنی بُنیاد اور سرشت میں ثابت قدم رہنے کی وجہ سے ایک اُلٹی چال ہے۔ یعنی وہ نکلنے کے بجائے مزید اپنی بُنیاد اور سرشت پر جما ہوا ہے۔ اور اس کا خروج ایک ایسی آگ سے مشتعل ہے جو درازئ سفر اور تھکن سے تنگ آکر آرام لینے کی خاطر سینہ میں موجزن ہوتی ہے اور ایک ایسے نُور سے روشن ہے جو اس کی تیز روی کے جذبہ پر دلالت کرتا ہے۔

۳۲۔ اس پیراگراف میں ایسے نامانوس اور پیچیدہ اَلفاظ لائے گئے ہیں جو لُغت کی عام کتابوں میں نہیں ملتے۔ مثلاً شراہمہ برہمیہ، مظل، میص، صواری، فطھمیہ وغیرہ۔ راقم ان کو کماحقّہٗ حل نہیں کرسکا ہے۔ پھر بھی مختلف لُغت سے جو مناسب معنی خیال کیے گئے، لکھ دیئے گئے۔

اس کی جگہ بڑی پست اور حیلہ کی جگہ ہے جو یقین (کے پانی) کو روک لیتی ہے۔

یقین وہاں مُترددرہتا ہے۔ اِس پر آنسو بہانے والا بھی بڑی گندی اور آلودہ آنکھ والا ہوتا ہے۔ اس کے اشتیاق والے اشتباہ میں گرفتار ہیں۔ اس کی تلواریں تخیلی ہیں۔ اس کے دُور رہنے والے مضبُوط ہیں اور اس کی گمراہیاں خوشنما ہیں۔

۲۳۔ اے بھائی! اگر تُو سمجھ جاتا تو یقیناً الگ ہو جاتا اور بہت زیادہ مُنقطع ہو جاتا اور سخت گمان کرتا اور شدّتِ غم سے ٹوٹ جاتا اور کثرتِ رنج سے فنا ہو جاتا۔

۲۴۔ قوم کے تمام فُصحاء و بلیغ لوگ اس کے بارے میں گونگے ہو گئے اور جتنے عارف لوگ تھے، عاجز آ گئے اور اس کے بارے میں کُچھ بتلا نہیں سکے۔

وہ ہی ہے جو ان میں سب سے زیادہ حقیقتِ سجدہ کا جاننے والا ہے۔ موجودات میں سب سے زیادہ قربت رکھنے والا ہے۔ اپنی صلاحیت اور طاقت کو سب سے زیادہ صرف کرنے والا ہے اور دوسروں کے مقابلے میں قول و اقرار کو زیادہ پُورا کرنے والا ہے اور معبُودِ حقیقی کے ساتھ سب سے زیادہ قربت رکھنے والا ہے۔

۲۵۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو محض حکم کی بجا آوری کے طور پہ سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے اپنے مُشاہدے کی طویل مدّت کی بناپر سجدہ کرنے سے اِنکار کر دیا۔

۲۶۔ آخر کار اس کا معاملہ مشتبہ ہو گیا اور اس کا گمان بگڑ گیا۔ اس پہ اس نے کہا:

"مَیں اس سے بہتر ہوں"۔

وہ مستقل طور پر حجاب میں پڑ گیا۔ خاک میں غلطاں رہا اور ابدالآباد تک عذاب سے پیوستہ ہو گیا۔

باب ساتواں

طاسین المشیئۃ

ا ۔ طاسین مشیئت ارادۂ خداوندی کا دائرۂ راز ہے اور اس طاسین کی صورت یہ ہے کہ ان دائروں اور نقطوں سے اس نے عوالمِ غیبیہ کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ یہ سب دائرے خدا کی صفات مثلاً حکمت ، قدرت ارادہ وغیرہ سے متعلق ہیں ۔

اس میں پہلا دائرہ ارادۂ خداوندی کا ہے ۔ دوسرا دائرہ اس کی حکمت کا ، تیسرا دائرہ اس کی قدرت کا اور چوتھا دائرہ اس کی معلومات اور ازلیت یعنی ہمیشگی کا ہے ۔

۲ ۔ ابلیس کا کہنا ہے کہ اگر مَیں پہلے دائرے میں داخل ہوتا تو دوسرے میں مُبتلا کر دیا جاتا ۔ اگر دوسرے دائرے میں باقی و ثابت رہتا تو تیسرے دائرے میں مُبتلا ہو جاتا اور اگر مَیں تیسرے پر قناعت کر لیتا تو پھر چوتھے دائرے میں مُبتلا کر دیا جاتا ۔

۳ ۔ پس نہیں ، ہرگز نہیں ، مطلق نہیں ۔ مَیں پہلے ہی پر باقی رہا ۔ یعنی مقام "لا" ہی میں رہا ۔ دوسرے دائرے کی طرف مجھے لعنت کی گئی اور تیسرے کی جانب مجھے پھینک دیا گیا اور چوتھا دائرہ میری نسبت سے کہاں ہے ۔ "لا" کا چار مرتبہ تکرار اس لئے کیا ہے کہ اُوپر چار دائروں کا ذکر ہے ۔ گویا پہلا مقامِ نفی ہے ، دوسرا مقامِ لعنت ہے اور تیسرا مقامِ رَدّ ہے ۔

۴ ۔ اگر مَیں یہ جانتا کہ آدم کو سجدہ کرنا مجھے نجات دلا دے گا تو مَیں سجدہ کر لیتا ، لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس دائرے کے پیچھے بھی اور دائرے ہیں ۔ یعنی مقامِ سجدۂ آدم کے پرے بھی اور مقاماتِ امتحان و ابتلا ہیں ۔ مَیں نے اپنے دل میں یہ بات کہی کہ مجھے

بخش دے۔ اگر میں اس دائرے سے نجات بھی پالوں، تب بھی دوسرے، تیسرے اور چوتھے سے کیسے نجات پاؤں گا۔

۵ــ پانچواں دائرہ الف ہے جو احدیت کے مقام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی وہی ایک ہے لَاشَرِیْکَ لَهٗ اور اسی سے "هُوَالْحَيّ" مراد ہے۔ یعنی حقیقی طور پر زندہ وہی ہے۔ باقی سب مردہ ہیں۔

طاسین المشیۃ میں پانچ نمبر ہیں اور اس میں پانچ دائروں یعنی مقامات کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔

اِس طاسین میں پانچ دائروں سے پانچ عالَم مُراد لیے گئے ہیں جو یہ ہیں:

۱: عالَمِ ناسُوت، ۲: عالَمِ ملکُوت، ۳: عالَمِ جَبَروت، ۴: عالَمِ لاہُوت، ۵: عالَمِ ہاہُوت۔

باب آٹھواں

طاسین التوحید

۱ ــــ

....

۲ــــ اور حق سبحانہ، تعالیٰ ایک ہے۔ یکتا ہے اور یگانہ ہے اور اسی کا ایک ہونا مسلّم ہے۔

۳ــــ اور واحد اور توحید، سو ایک کا تعلق حرف "فی" (میں) سے ہے اور دوسرے کا تعلق حرف "عَن" (سے) ہے۔ یعنی ایک کو ہمہ اوست اور دوسرے کو ہمہ از دوست کہا جا سکتا ہے۔

۴ــــ اس سے اِنقطاع (جُدائی) ہے۔ اس معنٰی میں اِنقطاع کی ایک صورت ظاہر کر دی ہے جو یہ ہے۔

۵ــــ توحید کا علم مُفرد اور مجرّد ہے۔ یعنی عِلم تفرید و تجرید دونوں پہلو رکھتا ہے۔ تفرید میں اپنے نفس کی نفی ہے اور تجرید میں اغیار کی اور توحید کی صورت یہ ہے:

۱۱	۱۱	۱۱	۱
۱۱	۱۱	۱۱	۱۱

۶ــــ توحّد، موحّدِ کی صفت ہے۔ مُوحَّد جس کی توحید کی گئی۔ اس کی صفت نہیں ہے پس اس کو صورتِ مُوحِّد کہو، صفتِ موحَّد نہ کہو۔

۷ــــ مَیں اگر "انا" کہوں تو وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ "انا" میرے لئے ہے۔ پس اس میں تیرے لئے "لا" ہے اور "انا" اسی کے لئے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مَیں کہوں کہ مَیں "وہ" ہوں تو مَیں "وہ" نہیں ہو جاؤں گا۔ وہ وہی رہے گا۔ کیونکہ وہ مجھ سے میرے "انا" کہنے سے اور میری

توحید بیان کرنے سے پاک صاف اور بلند ہے۔

۸۔ اگر مَیں کہوں کہ توحید کی بازگشت موحّد کی طرف ہے تو مَیں نے توحید کو مخلوق بنا دیا ہے۔ کیونکہ مُوحّد وہ ہے جو عقیدۂ توحید رکھتا ہے۔ عقیدہ کا رکھنے والا بہر حال مخلوق ہے۔

۹۔ اور اگر مَیں یہ کہوں کہ توحید مُوحّد کی طرف لَوٹتی ہے یعنی جس کی توحید کی گئی ہو اس کی طرف۔ تو جو خود اپنی ذات سے ایک ہو اس کو کسی کے ایک ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

چونکہ وہ یگانہ و یکتا ہے اِس لئے وہ توحید بھی جو ایک مُوحّد کی صفت ہے اس کی شانِ اعلیٰ و ارفع کے سزاوار نہیں ہے۔ اِس توحید سے بھی اس کی احدیّت کا حق ادا نہیں ہوتا ہے۔

۱۰۔ اور اگر مَیں توحید کی نسبت مُوحّد کی طرف کروں تو پھر مَیں نے ایک قسم کی حد بندی کر دی ہے۔ اور وہ لامحدُود ہے۔

اِس طاسین میں حسین بن منصُور حلّاج رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بیان کی ہے کہ ایک فانی اور مخلوق، ایک باقی اور خالق کی توحید کا حَقّہٗ بیان نہیں کر سکتا ہے۔ وُہ یگانہ و یکتا ہماری توحید بیان کرنے کا مُحتاج نہیں ہے۔ وہ اِس طرح ایک ہے کہ اسے کسی کے ایک ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذاتِ یکتا ہماری توصیف و تعریف اور حمد و ثنا سے بہت بلند و بالا ہے۔

بابِ نواں

طاسین الاسرار فی التوحید

۱ــ بھیدوں کے طاسین کا بیان توحید کے باب میں اس طرح ہے :

بھیدوں کا سرچشمہ اسی سے پھوٹتا ہے ۔ یہ بھید اسی کی طرف خیالات لے جاتے ہیں کیونکہ وہی ان کو الہام کرنے والا ہے ۔ یعنی توحید کے اسرار آسان نہیں ہیں وہ خیال اور وسوسہ پیدا کرتے ہیں ۔

۲ــ توحید کے دقیق معنی ہی اس کی ضمیر بن ہیں ۔ اس واسطے کہ " اَنّی " (یعنی انا نے ذات) ایک پوشیدہ مقام بلکہ اس کو بھی خود مضمر خیال نہ کرو ۔ اس کی ضمیر سمجھو ۔ اس کی ذات ہی اس کا اسم اشارہ بن سکتی ہے ۔ توحید کی ضمیر منقلب ہے ۔ وہ حقیقی اعتبار سے ضمیر، مضمر اور ضمائر کی قید میں نہیں ہے یہی "ھا" خود اس کی ذات ہے ۔ یہی "ھا" عالمِ ہاہوت ہے ۔ وہ ہماری توحید بیان کرنے سے ایک نہیں بنا ہے ۔

۳ــ اگر تو نے واہ واہ کیا یعنی اظہارِ تعجّب کیا تو لوگ "افسوس" کا اظہار کریں گے ۔

۴ــ یہ سب الوان و انواع ہیں اور اشارہ ایک ناقص چیز کی طرف نہیں پہنچتا ہے ۔ الوان (رنگ) انواع (قسمیں) سب عالمِ اجسام میں داخل ہیں جو نامکمّل ہیں ۔

۵ــ گویا "وہ مضبوط چٹان کی مانند ہیں" (قرآن ، ۶۱ - ۴) ۔ یعنی حقائق مضبوط چٹانوں کی مانند ہیں ۔ یہ ایک حد ہے ۔ یعنی دو چیزوں کے درمیان ، ایک خط یا جُدا کرنے والی شے اور اس کی احدیت اس حد کو غیر کے حکم سے مستثنیٰ نہیں کرتی ہے ۔ گویا وہ بھی غیر کے حکم میں شامل ہے اور یہ حد کا درجہ بھی بہت تیز ہے اور حد کی جتنی بھی تعریفات یا معانی ہوں گے وہ محدود کے لئے ہی ہو سکتے ہیں اور جس کی توحید

کی گئی ہے اس کی حدبندی نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ لامحدود ہے۔

۶ــ "حق" جہاں تک مخلوق کا تعلق ہے وہ اس کی طرف جائی بازگشت ہے۔ یہ حق نہیں ہے۔ قبلہ اصل میں قبلہ نما ہے۔ کعبہ اس معبودِ حقیقی کا پتہ بتلانے والا ہے خود بذاتہ مسجود نہیں ہے۔ وہ مخلوق کی عقل، فہم، بصیرت کی حد سے بہت بلند ہے۔

۷ــ توحید قول نہیں ہے۔ کیونکہ گفت گو اور حقیقت دو ایسی چیزیں ہیں جن کا مخلوق کے لئے ایک ہونا درست نہیں۔ پس حق کے لئے یہ بات کیسے صحیح ہو؟۔

۸ــ اگر میں یہ کہوں کہ "توحید" اس سے پیدا ہوئی، تو میں نے ایک ذات کو دو ذاتوں میں بدل دیا ہے۔ چونکہ جب ذات پیدا ہوئی تو ذات کی یکتائی نہ رہی اور وہ یگانہ و یکتا ذات ہے اور یہ اسی وقت تک ہے جب تک اس کے مقابلے میں کوئی ذات نہ ہو اگر کوئی مقابلہ میں ذات ہو تو پھر یکتائی ذات کا تصوّر باقی نہیں رہتا۔ پس یہ کہنا کہ توحید اس سے پیدا ہوئی، درحقیقت اس کی یکتائی کی تعریف نہ ہوئی۔

۹ــ جب وہ ظاہر ہوا تو اس نے خود کو پوشیدہ کر لیا مگر وہ کہاں پوشیدہ ہوا۔ کیونکہ وہ کونسی جگہ ہے جہاں وہ نہیں ہے۔ "این" و "آن" اور "ماوذا" اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ گویا انسانی ادراک، اس کا علم اور اس کا فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔

۱۰ــ اس کی وجہ یہ ہے کہ "تک" بھی اس کی مخلوق ہے اور "کہاں" بھی اس کی مخلوق ہے اور مخلوق کی رسائی وہاں تک محال ہے۔ یعنی وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اور مخلوق زمان و مکان میں مقیّد ہے

۱۱ــ جو چیز عرض قبول کرتی ہے وہ جوہر کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ جو جسم سے جُدا نہ ہو وہ جسم کے علاوہ نہیں ہے اور جو چیز رُوح سے الگ نہ ہو وہ رُوح ہی ہو سکتی ہے۔ یہ ایک قسم کا لطیف مادّہ یا روحانی خوشبو ہے۔

۱۲ــ اَب ہم نے ان چیزوں کی طرف رجوع کریا ہے جو احاطہ کرلیتی ہیں ان چیزوں کا جو پسندیدہ، گوارا، مکرّر اور متفرقات میں شامل ہیں اور یہی گمان کی ہوئی ہیں۔

۱۳ــ پہلی شق کا تعلق مفعُولات سے ہے۔ یعنی ان چیزوں سے ہے جو اثر و فعل قبول کرلیتی ہیں۔

دوسرے نمبر کا تعلق مرسومات سے ہے۔ یہ کائنات کے دائرۂ نقوش اور علامات ہیں۔

۱۴ــ توحید کی حقیقت کا مرکزی نقطہ اس سے مُراد ہے۔ توحید مُطلقاً مراد نہیں ہے۔ خواہ اِس سے دائرہ جُدا ھی کیوں نہ ہو۔

اِس طاسین میں یہ کہا گیا ہے کہ خُدا کے بھید اور اس کے مقامِ یکتائی کو دریافت کرنا عقلاً ناممکن ہے۔ کیونکہ اس اسرار کو اس سے جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا مخرج اور مرجع وہی ہے۔ وہ خود ہی ان کو دل میں ڈالتا ہے۔ چونکہ اِن بھیدوں کے مطالب اور معانی باریک ہیں اس لئے ان سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا کوئی کلام، کوئی ضمیر، کوئی اِشارہ اس ذاتِ مطلق کے شایانِ شان نہیں ہے۔ خود اس کی ذات ہی اس کا اشارہ اور اس کی ضمیر بن سکتی ہے۔ یہ وہ مقامِ یکتائی ہے جہاں "واہ"، "آہ" و "ہا"، "ذا" اور دیگر ایسے ہی کلمات کو دخل نہیں ہے۔

یہ ساری کائنات عرض و جوہر اور الوان وانواع کی ہے اور وہ ان سب چیزوں سے بالاتر ہے جس کو ہم قبلہ کہتے ہیں۔ وہ بھی قبلہ نما ہے بقولِ غالب ؏

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

پس جب وہ حدِ ادراک سے بھی پرے ہے، اس لئے جو کچھ ہم اس کے بارے میں کہیں گے وہ یقیناً محدود ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ وہ لامحدود ہے۔ ہماری توحید بھی ایک قسم کی حد بندی ہے جو اس کے لئے سزاوار نہیں ہے۔

باب دسواں

طاسین التنزیہ

۱۔ اور اس کے لئے عالم مثال کا دائرہ ہے جس کی صورت یہ ہے۔

۲۔ یہ سب باتیں، زمانے، نظریے اور مختلف طریقے رکھنے والے لوگوں کے اقوال کی رُو سے حرفِ ابجد کے اعداد کا حساب ہیں۔

۳۔ پہلا اس کا ظاہر ہے، دوسرا اس کا باطن ہے اور تیسرا اس کا اشارہ ہے (ہماری مراد ان دائروں سے ہے)۔

۴۔ یہ سب پیدا کئے ہوئے متحرک، گردش کے مرکز اور منقلب مخلوط و نامعلوم، فریب خوردہ اور شکستہ و گونسار ہیں۔ یعنی زمان و مکان، عقائد اور نظریے اور علوم و معارف، سب کے سب حادث اور مخلوق ہیں۔ اس کی ذات ان سے پاک ہے۔

۵۔ ضمیروں کی پوشیدگیوں میں رواں دواں ہیں، متردد و متحیر ہیں۔ متزلزل و عبیر ہیں اور سرگردان و پریشان ہیں۔

۶۔ یہ مخلوقات ہیں۔ ادلتی بدلتی چیزیں ہیں حق ان افسانوں سے پاک اور بری ہے۔

۷۔ اگر میں یہ کہوں کہ "او ست" "وہ ہے" تو پھر توحید کے بارے میں کچھ نہیں کہیں گے۔

۸۔ اور اگر میں کہوں کہ توحیدِ حق صحیح ہو گئی ہے تو کہیں گے کہ "درست ہو گئی" تعجب کریں گے۔

۹۔ اگر میں اس کے بارے میں "بے زمان" (زمانہ کی قید سے آزاد) کہوں تو پھر کہیں گے کہ توحید کے معنی تشبیہ کے ہوئے اور تشبیہ حق تعالٰی کے اوصاف

کے لائق نہیں ہے۔

اس طرح توحید کی نسبت حق کے ساتھ نہیں کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کی نسبت مخلوق کی طرف کی جا سکتی ہے۔ اس واسطے کہ کوئی شمار اور گنتی ہو، سو اس کی بہرحال ایک حد ہے۔ اگر توحید میں زیادتی (کثرت) کی جائے تو حادث (عدم سے وجود میں آنے والا) لازم آئے گا اور حادث حق کی صفت نہیں ہوتی ہے۔ ذات تو واحد (اکائی) ہے۔ حق اور باطل عین ذات سے نہیں پیدا ہوئے۔

۱۰ — اگر یہ کہا جائے کہ "توحید کلام ہے"۔ تو کلام ذات کی صفت ہے۔

۱۱ — اگر میں کہوں کہ "اس نے ارادہ کیا کہ وہ واحد ہو جائے"۔ تو ارادہ ذات کی صفت ہے اور جن چیزوں کا ارادہ کیا جائے وہ مخلوق ہیں۔

۱۲ — اگر میں کہوں کہ "اللہ ذات کی توحید ہے"۔ تو ذات توحید ہو جائے گی۔

۱۳ — اور اگر یہ کہوں کہ "وہ ذات نہیں ہے" تو میں نے اس کو مخلوق گردانا ہے۔

۱۴ — اور اگر میں یہ کہوں "اسم اور مسمّٰی دونوں واحد ہیں"۔ تو پھر توحید کیا ہوئی؟

۱۵ — اور اگر "اللہ اللہ" کہوں تو پھر اللہ عین عین ہوگا۔ یعنی "وہ ہی ہے"۔

۱۶ — یہ مقام اسباب و توجیہات کی نفی کے راز کا مقام ہے اور یہ دائرے ان مختلف لام الفوں کی شکل میں اس کی صورت ہے۔ (لام الف = لا)

۱۷ — پہلا لام الف ازل ہے۔ دوسرا وہ ہے جس کا تعلق مفہومات سے ہے۔ تیسرا جہت (طرف، سمت) ہے اور چوتھا وہ ہے جس کا تعلق معلومات سے ہے۔

۱۸ — یاد رہے کہ ذات صفات کے سوا نہیں ہے۔

۱۹ — پہلے وہ علم کے دروازے سے آتا ہے اور نہیں دیکھتا ہے۔ پھر وہ "صفا" کے دروازے سے آتا ہے اور نہیں دیکھتا ہے۔ پھر وہ "فہم" کے دروازے سے آتا ہے اور نہیں دیکھتا ہے اور پھر معنی کے دروازے سے آتا ہے اور نہیں

دیکھتا ہے۔

گویا نہ ذا (ذات) سے نہ شا (شئے) سے نہ قا (قال، گفتگو) سے اور نہ ما (ماہیت) سے دیکھتا ہے۔

۲۰۔ تمام عزت اس خدا کے لئے ہے جو محض اپنی پاکیزگی کی وجہ سے معارف والوں کے طریقوں اور کشف وکرامات والوں کی سمجھ سے بری اور پاک ہے۔

۲۱۔ یہ مقام نفی واثبات کے راز کا مقام ہے اور اس کی صورت یہ ہے۔

۲۲۔ پہلا نقش فکرِ عام ہے اور دوسرا فکرِ خاص اور جو دائرہ ہے وہ علمِ حق ہے ان میں سے جو درمیانی ہے، وہ ان کا مدار ہے اور جو الف لام دائرے کے ساتھ ہیں وہ تمام اطراف کی نفی ہیں۔

وہ ودحا (ح۔ مخفف حامل) اطراف سے اجنبیوں کو اٹھانے والی ہیں۔ یعنی ماسوا کو دُور کرنے والی ہیں۔ پس توحید رہ جاتی ہے اس کے ماوراء حوادث ہیں یعنی عدم سے وجود میں آنے والی چیزیں ہیں۔

۲۳۔ عوام کا فکر توہمات کے سمندر میں غوطہ زن رہتا ہے۔ خواص کا فکر عقل وفہم کے سمندر میں شناوری کرتا ہے مگر بالآخر یہ دونوں سمندر خشک ہو جاتے ہیں۔ راستہ فرسودہ ہو جاتا ہے اور دونوں فکریں راہ سے ہٹ جاتی ہیں اب وہ دونوں حامل مضمحل اور کمزور پڑ جاتے ہیں۔ دونوں جہاں فنا ہو جاتے ہیں۔ حُجّتیں دم توڑ دیتی ہیں اور علم و معرفت لاشئے ہو جاتے ہیں۔

۲۴۔ الُوہیّت کی بارگاہ سے صرف اس ذات کی صفتِ رحمان کا نور جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ جو پاک ہے اور حُدوث قبول نہیں کرتی ہے۔

پس پاک ہے وہ خدا جو تمام عیوب سے مُبرّا ہے جس کی حُجّت قوی ہے۔ جس کی قدرت غالب ہے اور جو جلال، بزرگی اور عظمت والا ہے۔

اس کا لامحدود اور بے شمار ہونا بھی ایک ہے مگر وہ ہمارے ایک کی طرح ایک نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ حد اور شمار، انتہا اور ابتدا ایسی چیزیں ہیں جو اس تک راہ نہیں پاسکتی ہیں۔ بلاشُبہ وہ کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور کائنات سے پاک ہے اس کو، اُس کے سوا، اور کوئی نہیں پہچان سکتا ہے۔ وہ بزرگی اور عزت والا ہے اور وہی رُوحوں اور جسموں کو پیدا کرنے والا ہے۔

باب گیارھواں

طاسین المعرفۃ

۱ — عالمِ بے مثال ابوعمارہ حسین بن منصور حلاج رحمۃُ اللہ علیہ کا قول ہے :

جس طرح معرفت، نکرہ کے ضمن میں پوشیدہ ہے اسی طرح نکرہ معرفت کے ضمن میں پوشیدہ ہے : نکرہ عارف کی صفت ہے اور جہل اس کی صورت ہے۔ پس معرفت کی صورت یہ ہے کہ وہ عقلوں سے غائب ہونے والی اور نظروں سے پوشیدہ ہونے والی چیز ہے۔

کسی نے اس کو کیونکر پہچانا ہے ؟ اس لئے کہ اس عالمِ قدس میں "کیسے" اور "کیونکر" کو دخل نہیں ہے۔ پھر اس کو کسی نے "کہاں" پہچانا ہے ؟۔ اس واسطے کہ "کہاں" کی گنجائش بھی وہاں نہیں ہے۔ کوئی وہاں تک کیسے پہنچا ؟ جب کہ معرفت کی رسائی وہاں تک نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی اس سے کیسے جُدا ہوا۔ ؟ کیونکہ جُدائی کا پرندہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا ہے۔

معرفت ایک محدود کے لئے، ایک ایسی چیز کے لئے جو شمار میں آسکتی ہو۔ جو کوشش کی محتاج ہو اور طبعاً مغلوب ہو، ہرگز سزاوار نہیں ہوسکتی ہے۔

۲ — معرفت نہ صرف ان چیزوں ہی سے اوجھل ہے جو ہماری نظروں سے پرے ہیں بلکہ وہ ہر چیز کی غایت اور منتہیٰ سے بھی پرے ہے۔ حتّٰی کہ وہ ہمت کی حُدود سے بھی پرے ہے۔ بھیدوں کی دُنیا سے بھی پرے ہے۔ "خبر" اور "نظر" کے عالم سے بھی پرے ہے اور ادراک کی کمند سے بھی پرے ہے۔

یہ ہے وہ دُنیا جو سب کی سب "شے" کے ضمن میں آتی ہے۔ جو شروع

میں نہیں تھی مگر بعد یاں پیدا ہوئی اور وہ چیز جو ابتدا میں نہ ہو لیکن بعد میں وجود میں آئے۔ وہ اپنی ذات کے لئے مکان کی محتاج ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ایک ایسی ہستی جو ہمیشہ سے ہو جو اطراف وجوانب اور اسباب و ذرائع سے پہلے ہو اس کو سمتیں اور طرفیں کیسے گھیر سکتی ہیں اور حدود و نہایات کیسے چھو سکتی ہیں۔

۲۔ اور جو یہ دعویٰ کرے کہ اس نے فنا ہونے والے نفس کے ذریعے "اس کو" پہچان لیا ہے وہ تو کس طرح ایک فانی اور مفقود، ایک باقی اور موجود کو پہچان سکتا ہے۔

۴۔ اور جو شخص یہ کہے کہ میں نے اس کو اپنی ہستی کے ذریعے پہچانا ہے تو دو قدیم یک وقت کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔

۵۔ اور جو یہ کہے کہ میں نے اس کو اس وقت پہچانا جب اس کی حقیقت مجھ پر مجہول ہو گئی اس صورت میں جہل، حجاب (پردہ) ہے اور معرفت حجاب سے ماوراء ہے اسکی کوئی حقیقت نہیں رہتی ہے۔

۶۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو "اسم" کے ذریعے پہچانا ہے تو اسم مسمّیٰ سے علیحدگی اختیار نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کا تعلق مخلوق سے نہیں ہے۔

۷۔ اور جو یہ ثابت کرے۔ میں نے اس کو اسی کی ذات کے ذریعے پہچانا ہے تو اس صورت میں بھی اس نے گویا دو معروف کی جانب اشارہ کیا ہے حالانکہ معروف ایک ہی ہے۔

۸۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو محض اس کی صنعت گری اور قدرت کے ذریعے پہچانا ہے۔ تو اس نے صانع کو چھوڑ کر صرف صنعت پر اکتفا کر لیا ہے۔

۹۔ اور جو آدمی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے اس کو اپنے عجز کی وجہ سے پہچان لیا ہے تو ایک عاجز کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا سلسلہ معروف سے منقطع ہوتا ہے اور جس کا سلسلہ منقطع ہو وہ معروف کا کیسے ادراک کر سکتا ہے۔

۱۰۔ اور جس شخص نے یہ بات کہی کہ جس طرح اس نے مجھے پہچاننے کا علم دیا، اُسی کے

مطابق مَیں نے اس کو پہچانا ہے ، اس صورت میں قائل نے اپنے علم کی طرف اشارہ کیا ہے اور معلوم کی جانب لوٹ گیا ہے چونکہ معلوم ذات سے الگ ہوتا ہے۔ لہٰذا جس نے ذات سے جُدائی اختیار کرلی وہ کیسے ذات کا ادراک کرسکتا ہے۔

۱۱ــــ اور جس نے یہ بات کہی کہ جس طرح خود اس نے اپنی ذات کا وصف بیان کیا ہے اُسی کے مطابق مَیں نے اس کو پہچانا ہے۔ سو اس شخص نے اثر (نشان) کو چھوڑ کر خبر پر قناعت کرلی ہے۔

۱۲ــــ اور جس نے یُوں کہا کہ مَیں نے اس کو دو حدّوں پر پہچانا ہے ، سو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ معروف واحد شے ہے اور وہ جگہ قبول کرنے اور جُز ہونے کی گنجائش نہیں رکھتا ہے۔

۱۳ــــ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ معرُوف (ذاتِ خداوندی) ہی نے اپنے آپ کو پہچانا ہے ، وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ عارف جُدائی میں مبتلا ہے اور دُوری و علیحدگی کا متکلّف ہے۔ کیونکہ معروف ہمیشہ اپنے نفس کا عارف رہا ہے۔

۱۴ــــ عجیب بات ہے کہ ایک ایسا شخص جو یہ نہیں جانتا ہے کہ اس کے بدن پر کالا بال کیوں اور سفید بال کس لیے اُگتا ہے ، وہ کیسے دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ تمام چیزوں کے خالق کو پہچان سکتا ہے ؟۔

ایک ایسا اِنسان جو مُجمل اور مفصّل کو نہیں جانتا ، جو اسباب و علل کو نہیں سمجھتا اور جو حقائق و لطائف پر نظر نہیں رکھتا اس کا دعویٰ معرفت ایک ایسی ذات کے لئے جو دائمی اور اَبدی ہے کیونکر دُرست تسلیم کیا جاسکتا ہے ؟۔

۱۵ــــ پس وہ ذات پاک ہے جس نے ان معرفت کے دعویٰ کرنے والوں پر کہیں الفاظ و اسمار کے ، کہیں نقوش و رسُوم کے اور کہیں عادات و علامات کے پردے ڈال رکھے ہیں۔ کہیں اس نے قال کے بھیس میں کہیں حال کے لباس میں ، کہیں کمال کے

پیرا ہن میں، کہیں جمال کے پردے میں اپنے حسنِ جہاں آرا کو چھپا رکھا ہے۔

دِل ایک ایسا گوشت کا لوتھڑا ہے جو بدن کے کھوکھلے حصّہ میں واقع ہے۔ معرفت وہاں کیسے سما سکتی ہے کیونکہ وہ ایک جوہرِ ربّانی ہے۔

۱۶۔۔۔ سمندِ عقل کے لئے طول و عرض یعنی لمبائی اور چوڑائی ہے۔ بندگی اور طاعت کے لئے سُنّتیں اور فرائض ہیں اور تمام مخلوق اس زمین و آسمان کے دائرے میں محصُور ہیں۔

۱۷۔۔۔ مگر معرفت کے لئے طُول و عرض نہیں ہے۔ نہ وہ زمین و آسمان میں ٹھہر سکتی ہے اور نہ وہ ظاہری اور باطنی چیزوں میں سُنّتوں اور فرضوں کی طرح سما سکتی ہے۔

۱۸۔۔۔ اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ مَیں نے اس کو حقیقتاً پہچان لیا ہے۔ اس نے اپنے وجُود کو معروف کے وجُود سے بھی زیادہ عظیم اور بزرگ تر کر لیا ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی چیز کو اس کی حقیقت کی تہہ تک پہنچ کر پہچان لیتا ہے وہ دراصل اس چیز سے بھی زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ (یہ گمان بھی ذاتِ خداوندی کے بارے میں درست نہیں ہو سکتا ہے)۔

۱۹۔۔۔ اے مخاطب! اس کائنات میں سب سے زیادہ حقیر چیز ایک ذرّہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تُو اس کا بھی ادراک نہیں کر سکتا ہے۔ پس وہ شخص جو ایک ذرّہ کو بھی نہیں پہچان سکتا ہے، کس طرح اس ذات کی معرفت کماحقّہٗ حاصل کر سکتا ہے۔ جس کا پہچاننا تمام چیزوں سے کہیں زیادہ مشکل اور دشوار ہے۔

لہٰذا عارف وہ ہے جو دیکھتا ہے یعنی اس کی حیثیت نظری ہوتی ہے اور معرفت یہ ہے کہ جس ذات کے ذریعے وہ بقا حاصل کرتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ معرفت ایک قطعی دلیل کے ذریعے سے ثابت ہے۔ کیونکہ معرفت میں ایک دائرہ ہے جو اس عین کی مانند ہے، جو شگافتہ ہو۔

لفظ معرفت کی عین کو مقامِ لاہُوت کے دائرے سے تعبیر کیا ہے کیونکہ صُوفیائے کرام عین سے مقامِ ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ "ع" کتابت

میں اپنے اندر دائرہ رکھتی ہے۔ اور مشقوق بھی ہوتی ہے اس واسطے لفظ معرفت کی عین سے اس طرف توجہ دلائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ معرفت ایک قطعی دلیل سے ثابت ہے۔

۲۰ــ اور ایک مُقیّد و معدوم کی طرف سے اور اس علم کی وجہ سے جو ذاتی ہو، معرفت کی عین اس کے میم ہویّت (ذاتِ مطلق) کی وجہ سے پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ یعنی حقیقتِ معرفت مقامِ معرفت میں گم ہو جاتی ہے یعنی حقیقت اور ذات کو، میم محل اور مقام کو کہتے ہیں۔ پس ایک مُقیّد و معدوم کی رسائی اور اس کے علم کی پہنچ وہاں تک نہیں ہو سکتی وہ اس سے الگ تھلگ ہوتی ہے اور واردات قلبی کے سبب اس سے جُدا رہتی ہے۔ وُہ دُور ہونے والی بھی ہے اور قریب ہونے والی بھی ہے۔

اس کی طرف (معرفت کی طرف) رغبت کرنے والا اس سے ڈرنے والا ہوتا ہے اور اس سے ڈرنے والا اس سے جُدا ہونے والا ہوتا ہے۔ اس سے چھُپنے والا اس کے سامنے آنے والا، اور اس کے سامنے آنے والا اُس سے چھپنے والا ہوتا ہے اس کے اُوپر کوئی بلند چیز نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے نیچے کوئی پست چیز بھی نہیں ہے (اضداد کو جمع کیا ہے)۔

۲۱ــ معرفت مخلوقات سے جُدا ہونے والی ہوتی ہے۔ کیونکہ مخلوقات حادث ہیں ان کو ہمیشگی اور دوام حاصل نہیں ہے۔ اس کے برعکس معرفت ہمیشگی کے ساتھ رہنے والی ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کے تمام راستے بند ہیں اور کوئی سبیل اس کی طرف نہیں ہے پھر بھی اس کے تمام مطالب اور معانی واضح ہیں جن کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ معرفت ایک ایسی چیز ہے جس کا اِدراک انسانی حواس نہیں کر سکتے ہیں اور جس کے ساتھ لوگوں کے اوصاف بھی وابستہ نہیں ہو سکتے ہیں۔

۲۲ــ معرفت والا اکیلا ہوتا ہے۔ اس کا اختیار کرنے والا اس کا منحرف ہوتا ہے۔ اس کی طلب والا درد میں مُبتلا رہتا ہے۔ اس سے وابستہ رہنے والا اپنی متاعِ ہستی

کو گم کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کا ظاہر کرنے والا قائم رہنے والا ہوتا ہے اس سے ڈرنے والا پرہیز گار ہوتا ہے اور اس سے آنکھ بند کرنے والا اس کو نظر میں رکھنے والا ہوتا ہے معرفت کی رسیاں یعنی اس کے وسیلے ہی اس کو تھامنے والے اور اس کے اسباب ہوتے ہیں۔

۲۳۔ پس معرفت بھی ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح وہ ہے اور جیسی کہ وہ ہے اور معروف بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ خود ہے اور جیسے وہ اپنی ذات سے ہے معرفت بھی ویسی ہی ہے جیسی وہ خود ہے اور معروف بھی ویسا ہی ہے جیسا وہ خود ہے۔ گویا کہ معروف معرفت ہے اور معرفت معروف ہے۔ معروف خود اپنی مثال ہے اور معرفت بھی خود اپنی مثال ہے۔ مقام "هِیَ" اور مقام "هُوَ" کو کوئی نہیں پہنچ سکتا ہے۔ ہم کَاَنَّھَا اور کَاَنَّهٗ ہی کہہ سکتے ہیں۔

معرفت کی بنیادیں اس کے ارکان ہیں اور اس کے ارکان اس کی بنیادیں، ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جو اس کے ہیں وہ اسی کے ہیں۔ وہ پھر کسی اور کے نہیں ہو سکتے ہیں۔ معرفت کی بنیاد خود اسی سے قائم ہے، اسی کے لئے ہے اور اسی کے ذریعے سے ہے۔

یہ "وہ" ہے "وہ" "یہ" ہے۔ یعنی معرفت معروف ہے اور معروف معرفت ہے۔ یہ مقامِ یکتائی ہے یہاں دوئی مِٹ جاتی ہے۔ معرفت معروف کے لباس میں اور معروف معرفت کے پردے میں جلوہ گر ہے۔ ہم صفت کو موصوف سے، موصوف کو صفت سے، معرفت کو معروف سے، معروف کو معرفت سے اور قدرت کو قادر سے اور قادر کو قدرت سے الگ نہیں کر سکتے ہیں۔ اِسی مقام کو لَا هُوَ اِلَّا هُو کہتے ہیں

۲۴۔ پس عارف وہ ہے جو دیکھتا ہے۔ یعنی مرتبہ رویت میں پہنچ جاتا ہے۔ اور معرفت وہ ذات ہے جس کے ذریعے وہ بقا حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا عارف دوسرے لفظوں میں

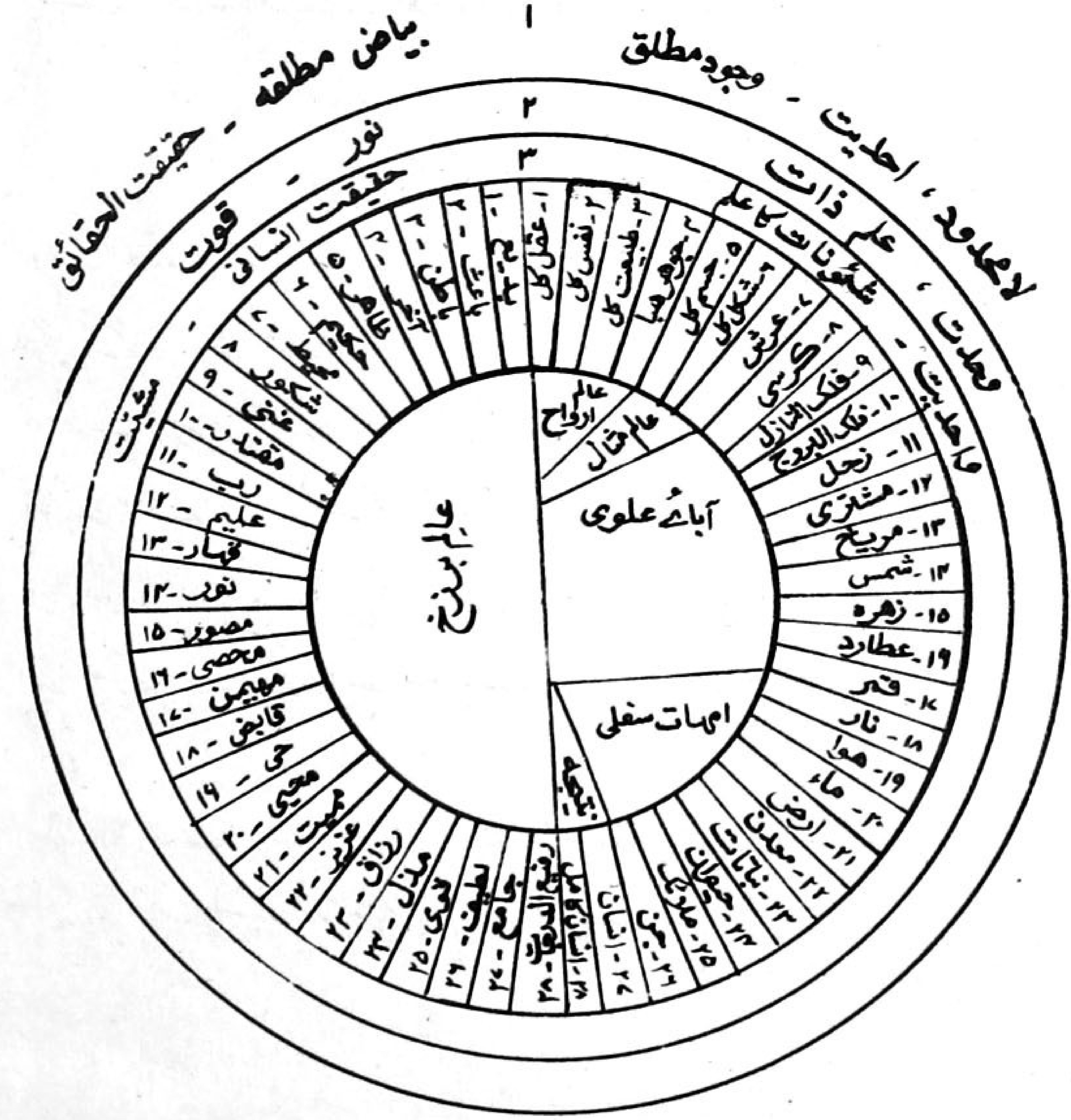
اس ذاتِ پاک کے عرفان ہی کا نام ہے ۔ کیونکہ عرفان کے بغیر اس کا وجود باقی نہیں رہتا ہے۔ وہ غور کرے تو خود اس کا وجود، وجودِ مُطلق کے عرفان کی جیتی جاگتی دلیل ہے۔ جہاں تک حقیقت کا تعلّق ہے معرفت اور معروف ہر دو اس سے بلند ہیں۔ عارف یہ ہی کہہ سکتا ہے۔

دوئی را چوں بدر کردم یکی دیدم دو عالم را
یکی بینیم، یکی دانم، یکی گویم، یکی خوانم

۲۵— معرفت کے بارے میں اس کے علاوہ جتنی باتیں بھی ہیں وہ سب افسانہ گو لوگوں کے ذہن کی اُپج ہے۔ اگر لوگوں کے طبقات کو سامنے رکھا جائے تو معرفت محض خواص کے حصّے میں آتی ہے۔ عام لوگوں کی فکر اس کے بارے میں انتشار کا شکار ہے اس کے بارے میں جو لوگ رائے زنی کرتے ہیں اور قیل و قال کے ذریعے مجلس آرائی کرتے ہیں وہ وسوسوں میں مُبتلا ہیں اور جو لوگ اس بارے میں سوچ بچار کے عادی ہیں انہیں اوہام نے گھیر رکھا ہے۔ جن کو اس کے مسائل سے وحشت ہوتی ہے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

۲۶— بات یہ ہے کہ حق، حق ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔ اس کو جوں کا توں تسلیم کر لینا چاہیے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

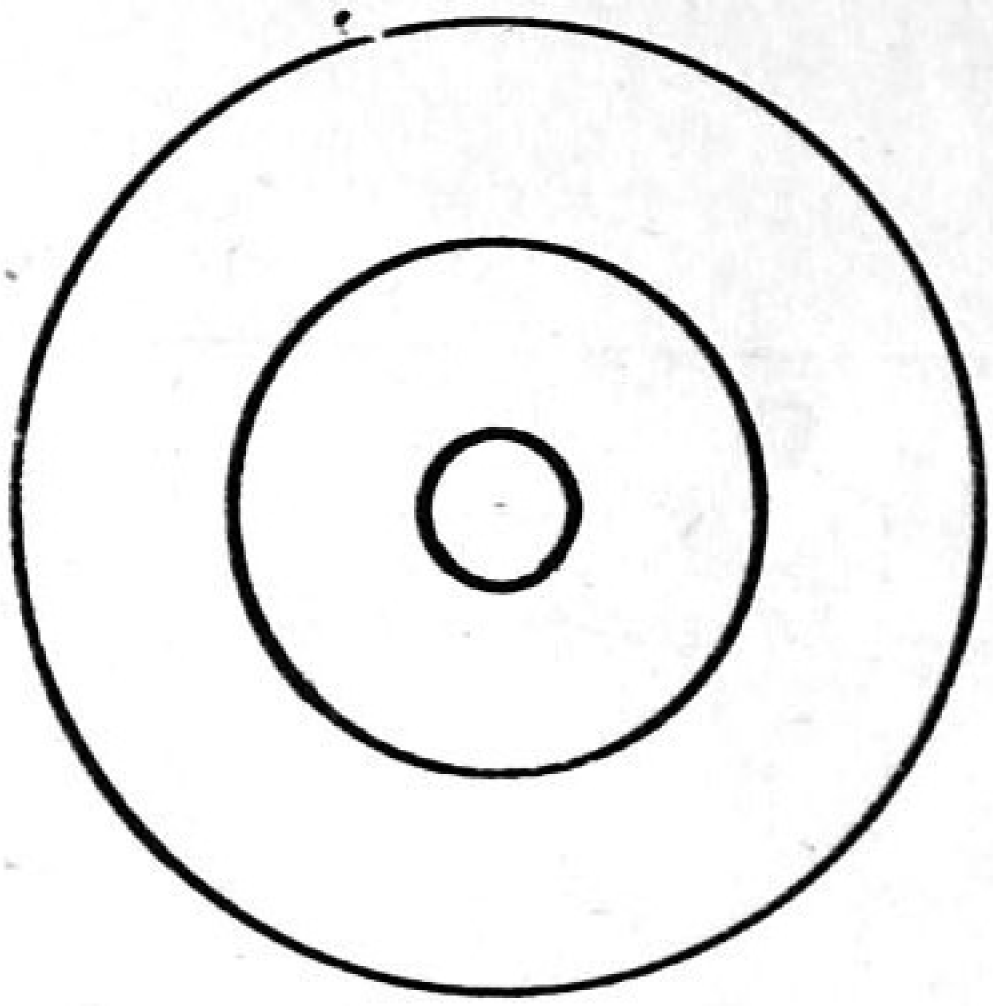
تشریحات



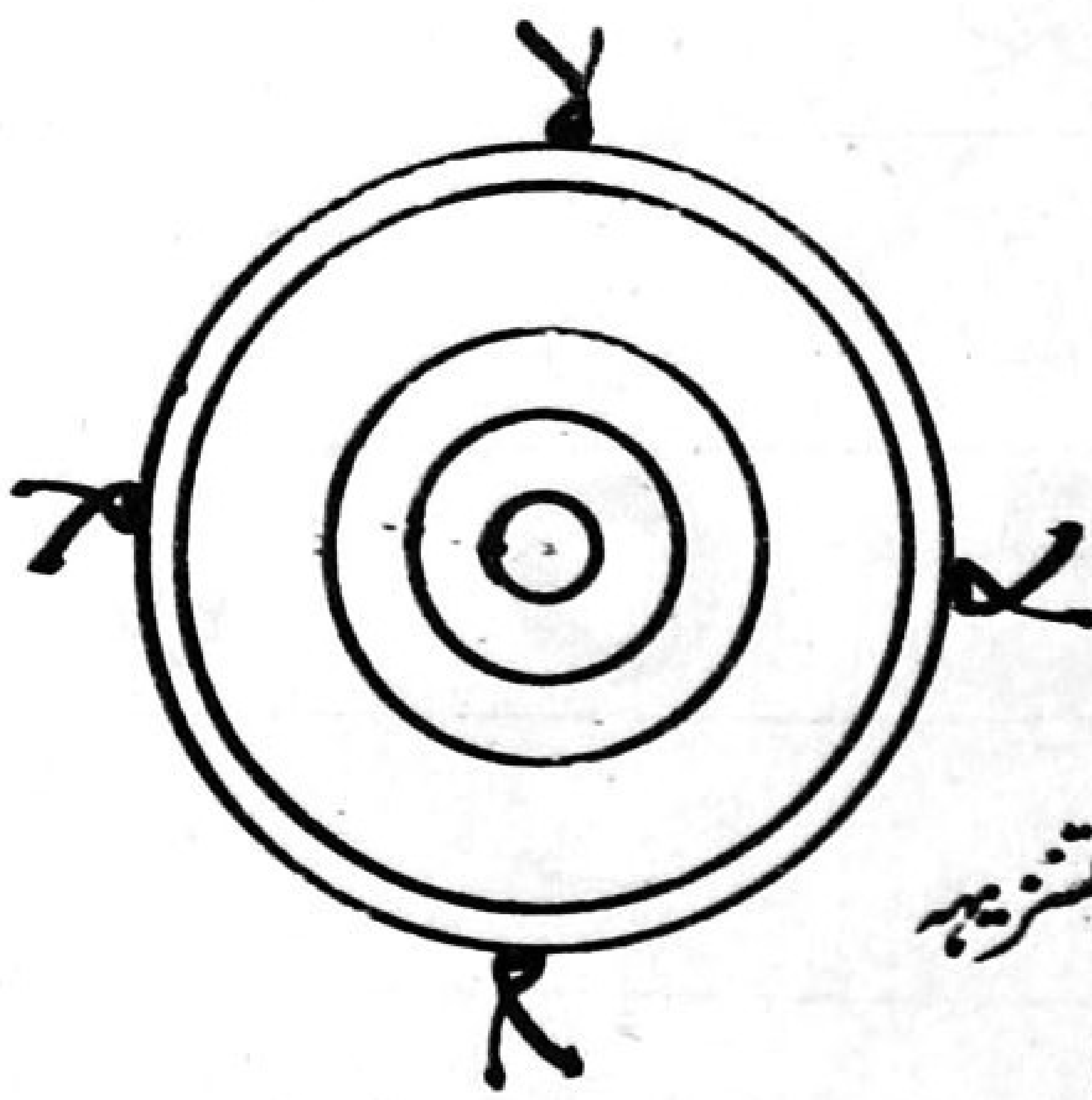
۱- پہلے دائرے کے اوپر مقام لاتعین یا احدیت کا درجہ ہے۔

۲- دوسرے دائرے کے اوپر وحدت یا حقیقت محمدی یا نور محمدی ہے۔

۳- تیسرے دائرے کے اوپر واحدیت یا حقیقت انسانی یا روح محمدی یا روح اعظم ہے۔
روح اعظم سے (بائیں جانب اسمائے الٰہی اور (دائیں جانب) اس کے مدمقابل اسمائے کیانی نکلے ہیں جو مخلوقات کے نام ہیں۔



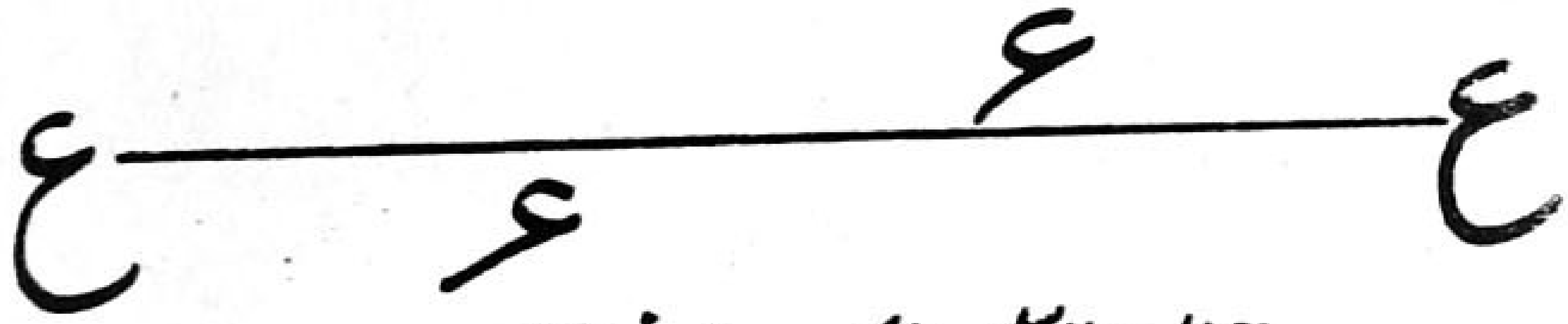
حوالہ: طاسین التنزیہہ



حوالہ: طاسین التنزیہہ
(دفعہ ۱۷)



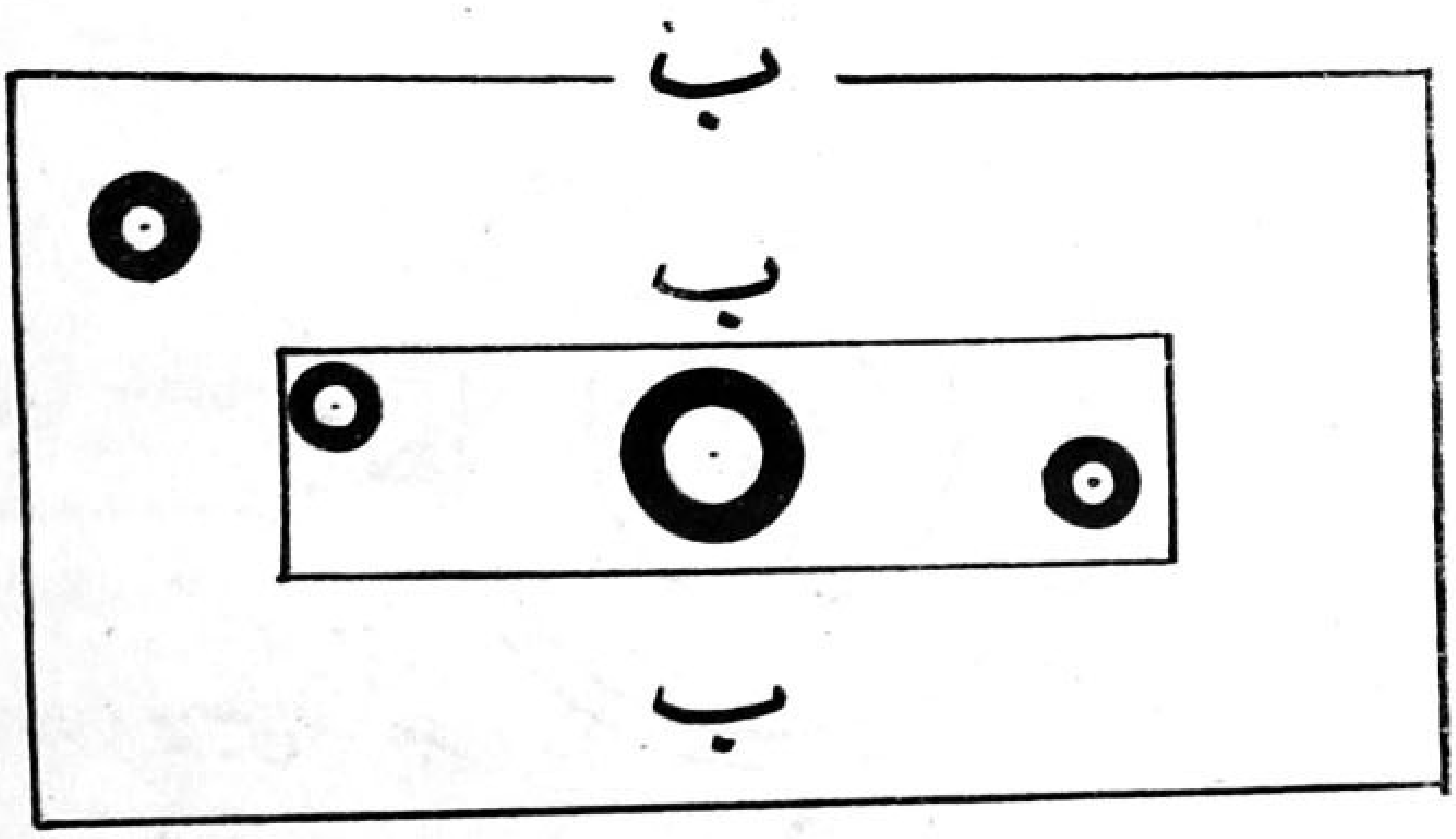
حوالہ: طاسین التنزیہہ
(دفعہ ۲۱)



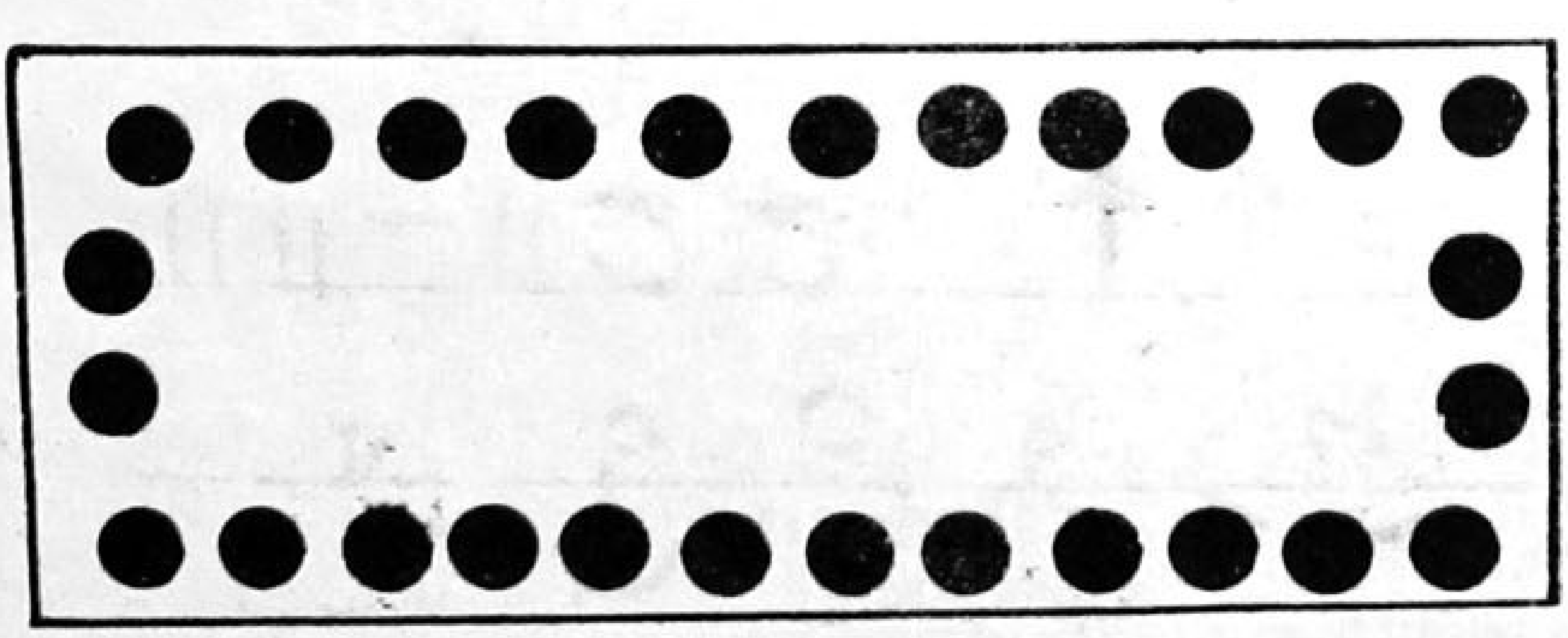
حوالہ: طاسین الاسرار فی التوحید



حوالہ : طاسین التوحید (دفعہ ۴)



حوالہ : طاسین الدائرہ



حوالہ: طاسین النقطہ (دفعہ ۱۱)

"خالق کل شئ کے ہر اس نام کا قرآن شریف سے حوالہ جس سے ایک خاص مخلوق پیدا ہوئی ہے

نمبر شمار	خالق کا نام	سورت کا نام	سورت کا نمبر	آیت کا نمبر	تخلیق کی صورت
۱۔	بدیع	انعام	۶	۱۰۱	عقل کل
۲۔	باعث	جمعہ	۶۲	۲	نفس کل
۳۔	باطن	حدید	۵۷	۳	طبیعت کل
۴۔	آخر	حدید	۵۷	۳	جوہر ہبا
۵۔	ظاہر	حدید	۵۷	۳	جسم کل
۶۔	حکیم	صف	۵۹	۲۴	شکل کل
۷۔	محیط	حم سجدہ	۴۱	۵۴	عرش
۸۔	شکور	فاطر	۳۵	۳۰	کرسی
۹۔	غنی	آل عمران	۳	۹۷	فلک المنازل
۱۰۔	مقتدر	قمر	۵۴	۴۲	فلک البروج
۱۱۔	رب	حم سجدہ	۴۱	۹	زحل
۱۲۔	علیم	مجادلہ	۵۷	۷	مشتری
۱۳۔	قہار	مومن	۴۰	۱۶	مریخ
۱۴۔	نور	نور	۲۴	۳۵	شمس
۱۵۔	مصوّر	صف	۵۹	۲۴	زہرہ
۱۶۔	مُحصی	جن	۷۲	۲۸	عطارد
۱۷۔	مہیمن	صف	۵۹	۳۰	قمر

نمبر شمار	خالق کا نام	سورت کا نام	سورت کا نمبر	آیت کا نمبر	تخلیق کی صورت
۱۸-	قابض	بقرہ	۲	۲۴۵	نار (آتش)
۱۹-	حی	بقرہ	۲	۲۵۵	ہوا (باد)
۲۰-	محی	روم	۳۰	۵۰	ما‌ء (آب)
۲۱-	ممیت	بقرہ	۲	۲۵۸	ارض (خاک)
۲۲-	عزیز	قمر	۵۴	۴۲	معدن
۲۳-	رزاق	ذاریات	۵۱	۵۸	نباتات
۲۴-	مذل	آل عمران	۳	۲۶	حیوانات
۲۵-	قوی	حج	۶۲	۷۴	ملائکہ
۲۶-	لطیف	لقمان	۳۱	۱۶	جن
۲۷-	جامع	نور	۲۴	۶۲	انسان
۲۸-	رفیع الدرجات	مومن	۴۰	۱۵	انسان کامل

یہ نقشہ خواجہ خانصاحب کی کتاب راز انا الحق (انگریزی) سے لیا گیا ہے۔

تخریجِ آیات

طواسین میں قرآن شریف کی آیات کی طرف جا بجا اشارات ملتے ہیں۔ ہم نے ایسے مقامات کی جمع آوری کی کوشش کی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ایسے تمام حوالے قلم بند کر لیے گئے ہیں۔ البتہ اکثر و بیشتر کو یک جا کیا گیا ہے۔ جن کی تعداد ۸۰ حوالوں تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ حوالے بعض جگہ بعینہٖ قرآن شریف کی آیات کی شکل میں ہیں، بعض جگہ قرآن کے فقروں اور لفظوں کی صورت میں اور بعض جگہ طواسین کی عبارت سے قرآنی آیات کا مفہوم متبادر ہوتا ہے۔ ہم نے باب وار پہلے دفعہ نمبر تحریر کیا ہے پھر اس کے سامنے طاسین کے الفاظ دیے ہیں۔ بعد ازاں سورت اور آیت کا نمبر اور آخر میں آیت کا ترجمہ دیا ہے۔

باب اوّل۔ طاسین السراج

۱۔ طٰسٓ۔ سورۂ نمل میں سے شروع ہوتی ہے۔	۲۷: ۱	(ان حروف کے اسرار کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔)
سراج	۳۳ : ۴۶	ہم نے آپ کو سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔
عاد	۳۶ : ۳۹	یہاں تک کہ چاند اپنی قدیم شکل پر لوٹ آیا۔
اُمّی	۷ : ۱۵۸	پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول اُمّی پر۔
مکبًّا	۲۸ : ۸۵	جس نے آپ پر قرآن فرض کیا وہ آپ پہلی جگہ (مکہ) کی طرف ضرور لوٹانے والا ہے۔

۲ - شرح صدرہٗ ۹۴ : ۱	کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔
رفع قدرہٗ ۹۴ : ۴	تیرے ذکر کے آوازہ کو بلند کیا۔
اوجب امرہٗ ۳ : ۳۰	میری پیروی کرو۔
واظہر بدرہٗ ۶۶ : ۳	اور ظاہر کر دیا اس چاند کو اللہ نے
۳ - اَمَرَ بِسِتَّۃٍ ۷ : ۱۵۷	اس آیت میں ان چھ چیزوں کا ذکر ملتا ہے جس کا آپ نے حکم دیا ہے۔
۴ - سوی الصدیق ۹ : ۴۰	اس میں حضرت صدیق اکبر کا ذکر ہے۔
۵ - الذین اٰتینا ہم الکتاب ۲ : ۱۴۲	جن کو ہم نے کتاب دی وہ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو۔
۶، ۷ - اظرف واعرف ۹ : ۱۲۸، ۳ : ۱۵۹	ان آیات میں ان اوصاف کا ذکر ہے۔
اسمہٗ احمد ۶۱ : ۶	اس کا نام احمد ہے
اظہرہٗ واکبرہ ۶۱ : ۹	اللہ اس کو سب پر غالب کرنے والا ہے۔
۸ - کلامہٗ نبویؐ ۱۰ : ۱۵	مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل دوں۔ میں اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پہ وحی کی گئی ہے۔
لاشرقی ولاغربی ۲۴ : ۳۵	جو نہ شرقی ہے نہ غربی
صاحبہ اُمّیؐ ۵۳ : ۲	نہ تمہارا رفیق گمراہ ہوا نہ بھٹکا
۹ - والحق انطقہٗ ۵۳ : ۳، ۴	وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے یہ وحی ہے جو ان پر نازل کی گئی ہے۔
عبارتہٗ عربیؐ ۳۹ : ۲۸	ان کی عبارت ' قرآن ' عربی ہے جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔
الذی اتی بکلام ۴۱ : ۴۱، ۴۲ قدیم۔	آپ قدیم کلام لے کر آئے جو ایک نادر کتاب ہے۔ اس میں جھوٹ کا دخل نہیں۔

۱۰ - اشارَ الیٰ بیت الحرام	۲ : ۱۴۴	اور جہاں تم ہو اپنے منہ اس کی طرف پھیر دو۔
اُرسل الی الانام	۷ : ۱۵۸	آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! مَیں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔
۱۲ - الحق بہ	۹ : ۴۰	اللہ (حق) ہمارے ساتھ۔
	۱۰ : ۵۳	آپ کہہ دیجئے ہاں مجھے رب کی قسم یہ سچ ہے۔
ھوالاخر فی النبوۃ	۳۳ : ۴۰	لیکن آپ اللہ کے رسول اور سب نبیوں پر مہر یعنی سب کے آخر میں ہیں۔
۱۴ - الحق ما اسلمہ	۹۳ : ۳	تیرے رب نے تجھے نہیں چھوڑا (یعنی کسی کے سپرد نہیں کیا۔
۱۶ - اشاع برھانہ	۴ : ۱۷۵	لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حجت آ چکی ہے۔
انزل فرقانہ	۲۵ : ۱	بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا۔
اعجاز قرانہٗ	۲ : ۲۳، ۲۴	جو کلام ہم نے اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل کیا ہے اگر تمہیں اس میں شک ہے تو اس قسم کی ایک سورت لے آؤ۔ . . پھر تم ایسا نہ کرو گے اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے۔
اثبت بُنیانہٗ	۲۵ : ۳۲	تاکہ ہم تیرا دل اس سے ثابت رکھیں۔
ان ھربت میادینہ	۱۲ : ۱۰۸	یہ میری راہ ہے مَیں اللہ کی طرف علیٰ وجہ بصیرت تمہیں بلاتا ہوں۔ سو آپ کے راستوں سے بھاگ کر کہاں راستہ ملے گا۔
کثیبِ مُہِیل		آپ کی حکمت کے سامنے حکماء کی دانائیوں

کے پہاڑ ریت کے بھُربھُرے ٹیلوں کی
مانند ہیں

باب دوم۔ طاسین الفہم

۷۔ ماکان محمد	۳۳ : ۴۰	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں مردوں کے باپ نہیں ہیں۔
۸۔ وکان قاب قوسین	۵۳ : ۹	پس دونوں کے درمیان دو کمانوں جتنا فاصلہ رہ گیا۔
امن بک فُوَادی	۶ : ۱۶۳	مَیں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں۔
ماکذب الفواد	۵۳ : ۱۱	جو دیکھا اس میں (اس کے) دل نے جھوٹ نہیں سمجھا۔
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى	۵۳ : ۱۴	سدرۃ المنتہی کے پاس۔
مازاغ البصروماطغٰی	۵۳ : ۱۷	نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔

باب سوم۔ طاسین الصفا

۱۔ فِیھازفیرٌ شھیقة	۱۱ : ۱۰۶	جو بدبخت ہیں آگ میں جائیں گے۔ ان کو وہاں چلانا اور دھاڑنا ہے۔
مقامات الاربعین	۷ : ۱۴۲	پھر اس کے رب کا وعدہ چالیس رات کا پورا ہوا۔
۳۔ ثم دخل	۲۸ : ۱۵	موسٰی علیہ السلام شہر میں جب لوگ بیخبر تھے داخل ہوتے۔

۴۔ ثم قضی	۲۸ : ۲۹	جب موسیٰ علیہ السلام نے میعاد پوری کر دی۔
	۲۷ : ۷	تاکہ میں تمہارے پاس کوئی خبر لاؤں
۵۔ علی الاثر	۲۰ : ۸۴	وہ میرے نقش قدم پر ہیں اور میرے رب میں نے اس لیے جلدی کی کہ تو راضی ہو جائے۔
۶۔ من الشجر من جانب الطور	۲۸ : ۲۹	کوہ طور کی طرف سے ایک درخت سے آگ دیکھی۔
۸۔ دع الخلیقۃ	۱۵ : ۳	انھیں چھوڑ کہ کھائیں، فائدہ اٹھائیں اور امیدوں میں بھولے رہیں۔

باب چہارم۔ طاسین الدائرۃ

۵۔ فخذ اربعۃ	۲ : ۲۶۰	تو چار پرندے لے لے اور ان کو اپنے ساتھ ہلا لے

باب پنجم۔ طاسین النقطہ

۹۔ کلا لا وزر	۷۵ : ۱۱، ۱۳	ہرگز نہیں، کہیں پناہ کی جگہ نہیں۔ اس دن تیرے رب کی طرف ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اس دن آدمی کو بتایا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا ہے اور جو پیچھے چھوڑا ہے۔
۱۰۔ لیس کمثلہ شی	۴۲ : ۱۱	اس کی مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے۔
۱۴۔ ما کذب الفواد ما رای	۵۳ : ۱۱	دل نے جھوٹ نہیں کہا جو دیکھا۔
۱۵۔ ارواح فغد اہٗ	۹۳ : ۴-۷	اور البتہ عنقریب تیرا رب تجھے دے گا پھر

		تو راضی ہو جائے گا الخ
۱۶- "قاب"	۹ : ۵۰	قاب قوسین کی طرف اشارہ۔
۱۷-۱۸- ماضل صاحبکم	۲ : ۵۳	تمہارا رفیق نہ گمراہ ہوا ہے نہ بے راہ۔
۲۰- ان ھو الا وحی یوحیٰ	۴ : ۵۳	یہ تو وحی ہے جو آپ پر نازل ہوتی ہے۔
۲۲- دنیٰ فتدلیٰ	۸ : ۵۳	پھر قریب ہوئے اور مزید نزدیک آ گئے۔
۲۳- وکان قاب قوسین	۹ : ۵۳	پس دو کمانوں کے درمیان جتنا فاصلہ رہ گیا۔
۲۴- فی کتاب مکنون	۷۸ : ۵۶	چھپی ہوئی کتاب میں
وکتاب مسطور	۲ : ۵۲	اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم

باب ششم۔ طاسین الازل والالتباس

۲- ما زاغ البصر وما طغیٰ	۱۷ : ۵۳	نگاہ نہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔
۹- وان علیک لعنتی	۷۸ : ۳۸	اور بلاشبہ میری لعنت تجھ پر ہے۔
۱۱- استکبرت	۷۵ : ۳۸	کیا تو نے تکبر کیا۔
انا خیر منہ	۱۱ : ۷	میں اس سے بہتر ہوں۔
خلقتنی من نار	۱۲ : ۷	تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔
۱۳- انظر الی الجبل	۱۴۳ : ۷	(اے موسیٰ) پہاڑ کی طرف دیکھ۔
۲۱- ما علمت لکم من الہ غیری	۳۸ : ۲۸	میں نے اپنے سوا تمہارا کوئی معبود معلوم نہیں کیا۔
۲۷- مھین	۵۲ : ۴۳	خفیف۔ ذلیل و خوار۔
کتاب مبین	۱ : ۴۳	کھلی کتاب۔
ذو القوۃ المتین	۵۸ : ۵۱	وہی صاحب قوت زبردست ہے۔
۲۹- لا تلمونی	۲۲ : ۱۴	مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنی جانوں کو ملامت کرو۔
ان فی الوعد	۲۲ : ۱۴	اللہ نے تم سے وعدہ کیا، سچا وعدہ۔

باب ہفتم۔ طاسین المشیۂ

۵۔ هوالحیّ ۴۰ : ۶۷ وہی زندہ ہے، کوئی معبود اسکے علاوہ نہیں ہے۔

باب ہشتم۔ طاسین التوحید

۲۔ والحق واحد احد ۱۰ : ۳۲ یہی اللہ ہے جو تمہارا سچا رب ہے۔
۱۱۲ : ۱-۲ کہہ دیجئے وہی اللہ ایک ہے۔ بے نیاز ایسا کہ سب اس کے محتاج ہیں۔

باب نہم۔ طاسین الاسرار فی التوحید

۵۔ کانہم بنیان مرصوص ۶۱ : ۴ گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (ضمائر توحید کی طرف اشارہ ہے)

باب دہم۔ طاسین التنزیہ

۶-۱۵۔ ان دس نمبروں میں ۱۷ : ۴۳ کی طرف تلمیح ہے۔ وہ پاک اور برتر ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔ وہ بہت بلند ہے۔
۲۰۔ العزۃ للہ ۳۵ : ۱۰ ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے۔
۳۸ : ۱۸۰ تیرا رب جو عزت کا رب ہے ان کی باتوں سے پاک ہے۔
۲۲۔ ذوالجلال والاکرام ۵۵ : ۲۷ تیرے رب کی ذات باقی رہ جائے گی جو بزرگی اور عظمت والی ہے۔

باب یازدہم۔ بستان المعرفہ

اس باب کی تمام دفعات میں ۶ : ۱۰۳ کی طرف اشارہ ہے آنکھیں اور حواس اس کو نہیں پا سکتے۔ وہ آنکھوں کو پا سکتا ہے اور وہ باریک بین ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

تشریحِ اصطلاحات

دائروں کی حقیقت

علم طبیعیات اور فلسفہ میں کائنات کی آفرینش کے سلسلہ میں اس کے مختلف کُرے اور طبقے تسلیم کئے گئے ہیں مثلاً ہماری دُنیا کے نظریہ تحقیق کی رُو سے سب سے اوپر کُرہ نار ہے۔ اس کے بعد کُرہ آب اور سب سے آخر میں کرہ خاک ہے۔ زمین پر موجوات کو تین حصّوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک جمادات کا جہاں ہے، دوسرے نباتات کی دنیا ہے اور تیسرے حیوانات کا عالم ہے۔ گویا ان سب کے الگ الگ دائرے اور جُدا جُدا طبقے ہیں۔

اسی طرح علم ہیئت اور جغرافیہ کو لیجئے کہ جب تک وہاں ہم دائروں اور اندازوں کو تسلیم نہیں کریں گے ان علوم کی بنیاد قائم نہیں رہ سکے گی۔ چنانچہ ہیئت میں ایک دائرۃ البروج ہے، ایک دائرہ معدل النہار ہے، پھر کوئی دائرہ افقی ہے اور کوئی دائرہ عمودی۔ کیا حقیقت میں یہ دائرے فلک الافلاک پر کھنچے ہوئے ہیں اور ہم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ البتہ یہ دائرے علماً اور عقلاً تسلیم کئے گئے ہیں اور ان کا وجود اتنا ہی واقعی اور حقیقی ہے جتنا کسی نظر آنے والی چیز کا۔ آج ان ہی دائروں، فاصلوں، اندازوں اور مقداروں کے بارے میں حیرت انگیز اور نتیجہ خیز تحقیق و تفتیش کر کے عقل انسانی نے چاند ستاروں پر اپنی تسخیر کی کمند ڈال رکھی ہے۔

یہ ایک ظاہری، مادی اور جسمانی دنیا کی داستان ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک باطنی، روحانی اور معنوی عالم کی کہانی ہے جس کی دلچسپیوں اور رنگینیوں کو کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جو اس میں آباد ہیں۔ اس موضوع سے علم تصوف بحث کرتا ہے اور لفظاً کے مقابلہ میں

معنی، ظاہر کے مقابلہ میں باطن، جسم کے مقابلہ میں روح اور مادّہ کے مقابلہ میں جوہر کو پیش کرتا ہے۔ جس طرح ظاہری کائنات کے مختلف درجے اور کُرّے ہیں۔ اسی طرح باطنی کائنات کے مختلف طبقات اور مراتب ہیں۔ اور جس طرح ہم ظاہری کائنات میں ان کُروں کو مقدم و مؤخر نہیں کر سکتے اسی طرح باطنی کائنات میں ان طبقوں اور دائروں کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے۔ صوفیائے کرام ان ہی غیب کے عالموں کو دائروں کی شکل میں دیکھتے ہیں۔

قارئین کی سہولت کے لیے ذیل میں ہم بعض الفاظ اور اصطلاحات کی تشریح سپرد قلم کرتے ہیں جو کتاب الطواسین میں آئے ہیں یا جن کی تشریح و توضیح سے کتاب کے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ سب سے بُلند درجہ عالمِ لاہوت کا ہے اور سب سے پست درجہ عالمِ ناسوت کا۔

لاہوت:۔ اسی کو ذاتِ بحت، وجودِ مطلق، بیاضِ مُطلقہ، حقیقت الحقائق، جمع الجمع، ماہیّت الماہیات، ہُوِیّت غیب، غیب مجہول، احدیت، لاتعین اور عما بھی کہتے ہیں۔

جبروت:۔ اسی کو عالمِ صفات، برزخ البرزاخ یا برزخ کبریٰ، واحدیت، تعین اول، عقل کلی، نفس کلیہ اور محیط اعیان ثابتہ بھی کہتے ہیں۔

ملکوت:۔ اسی کو عالمِ ارواح، عالم افعال، ربوبیت، عالمِ غیب، عالم امر، عالم باطن، نفوس اور عقول بھی کہتے ہیں۔

مُلک:۔ اسی کو عالم آثار، عالم اجسام، عالم شہادت، عالم خلق، عالم ظاہر، عالم کثیف، عالمِ اجرام اور محسوسات بھی کہتے ہیں۔

ناسوت:۔ اسی کو انسانِ کامل، جامعیت، مظہر، مرآۃ (آئینہ) خاتم الموجودات اور عِلّت غائیہ بھی کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے اس کے ۶ درجے مقرر کیے ہیں اور اس کو مراتب ستّہ کہتے ہیں۔

مراتبِ ستّہ:۔ (۱) پہلا درجہ وحدت، احدیت اور قابلیت محض کا ہے۔ اسی

کو مقام ذات اور عالم غیب کہتے ہیں ۔

(۲) دوسرا درجہ واحدیت کا ہے جس میں ذاتِ باری تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اعتبار ہوتا ہے ۔

(۳) تیسرا درجہ ارواحِ مجردہ کا ہے اس سے مراد عقول عالیہ اور ارواح بشریہ ہیں ۔

(۴) چوتھا درجہ عالم ملکوت کا ہے جو تمام نفوس سماوی اور بشری پر مشتمل ہے ۔ اس کو عالمِ مثال بھی کہتے ہیں ۔

(۵) پانچواں درجہ عالم ملک کا ہے ۔ اسے عالم شہادت بھی کہتے ہیں اور اس سے مراد مادی دنیا ہے ۔

(۶) چھٹا درجہ انسان کامل کا ہے جو تمام مراتب کا محل ہے اور جسے صوفیائے کرام عالم صغیر بھی کہتے ہیں ۔

تخلیق کے اعتبار سے تقسیم :۔ تخلیق کے اعتبار سے صوفیاء اور حکماء نے یہ تقسیم کی ہے مخلوقات کی دو قسمیں ہیں (۱) جو مادہ و مقدار رکھتی ہیں ۔ اُن کو عالم خلق کہا جاتا ہے ۔ اس میں تمام اجسام سفلی اور علوی شامل ہیں ۔

(۲) جو مادہ اور مقدار نہیں رکھتی ہیں ، ان کو مجردات کہتے ہیں ، اسی کا نام عالمِ امر ہے ۔ اس میں ارواح ، لطائف قلبی ، اسرار عالم قدس اور ملائکہ شامل ہیں ۔ عالمِ امر عالم خلق کے مقابلہ میں غیر محدود ہے ۔ اسی ضمن میں صوفیائے کرام نے ایک تیسرا عالم بھی مانا ہے اور جسے وہ عالم مثال کہتے ہیں ۔ ان کا قول ہے کہ عالم اجسام کے مقابلہ میں ایک عالم اور بھی موجود ہے جو چیز اس دُنیا میں موجود ہے اس کی نظیر یا شبیہ وہاں پائی جاتی ہے اس لیے اس کو عالم مثال کہتے ہیں ۔ پس عالم خلق سب سے نیچے ، اس کے اوپر عالم مثال اور سب سے اوپر عالم امر ہے ۔

تجلیات کی قسمیں :۔ تجلیات کی تین قسمیں کی گئیں ہیں ۔

(۱) افعال کی تجلی جس کو محاضرہ کہتے ہیں اور یہ قلب سے ہوتی ہے ۔

(۲) صفات کی تجلی جس کو مکاشفہ کہتے ہیں اور یہ سِرّ باطن سے حاصل ہوتی ہے ۔

(۳) ذات کی تجلی جس کو مشاہدہ کہتے ہیں اور یہ روح سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح ذات باری تعالیٰ، صفات اور اسمار کو سامنے رکھ کر یہ مقامات اخذ کیے ہیں۔

(۱) مرتبۂ ذات کو مقام لاہوت (۲) مرتبۂ صفات کو مقام جبروت اور (۳) مرتبہ اسمار کو مقام ملکوت کہتے ہیں۔

کشف و واقعہ:۔ کسی امر یا حقیقت کا لباس تمثیل کے بغیر معلوم ہونا کشف کہلاتا ہے اسی کو اہل دل خبر الٰہی کہتے ہیں اور اگر کوئی بات تمثیل کے ذریعہ سے معلوم ہو تو اس کو واقعہ کہا جاتا ہے۔

وصل و فصل:۔ وصل و فصل سے مراد ظہور وحدت فی الکثرت ہے۔

قاب قوسین کی تشریح:۔ قاب قوسین، اسمائے الٰہی کے قرب کا مقام ہے۔ اس اعتبار سے کہ ان اسمار میں امر خداوندی کے بارے میں تقابل محفوظ خاطر رہتا ہے۔ اسی واسطے اس کو دائرۃ الوجود کہتے ہیں۔ مثلاً ابدا و اعادہ، عروج و نزول، احیا و اماتہ اور فاعلیت و قابلیت وغیرہ۔

یہ مقام حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا اتحاد ہے جس میں تمیز اور اثنینت باقی رہتی ہے اس کے اوپر سوائے مقام اَوْ اَدْنیٰ کے اور کوئی مقام نہیں ہے۔ اس کو احدیت اور عین الجمع بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں تمیز اور اثنینت اٹھ جاتی ہے اور فنائے محض اور طمس کا درجہ آجاتا ہے۔ قاب قوسین کی آیت میں میم سے مراد مَا اَوْحیٰ ہے یعنی تجلّی ذات کے وہ اسرار و رموز ہیں جو آپ پر منکشف ہوئے۔

سورۂ نجم کی ان آیات کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر جمہور علمار کی ہے وہ یہ ہے کہ ان آیات میں حضرت جبریل علیہ السلام کے اصلی صورت میں دیکھنے کا بیان ہے۔ قَابَ قَوْسَیْنِ اور دَنٰی فَتَدَلّٰی میں جو قرب و اتصال مراد لیا گیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان ہے۔ ذُوْ مِرَّۃٍ اور شَدِیْدُ الْقُوٰی حضرت جبریل علیہ السلام کی صفات ہیں۔ مگر ان آیات کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کو واقعہ معراج کا بیان قرار دے کر حق تعالیٰ کے تعلیم بلا واسطہ، ذاتِ خداوندی

کے دیدار اور اس کے قرب و اتصال پر محمول کیا جائے۔ اس صورت میں آیات کی تفسیر یہ ہوگی، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوت یا رسالت میں حد کمال کو پہنچے یعنی ملکیت اور روحانیت کا ان پر غلبہ ہوا۔ یہ "فَاسْتَوٰی" کے معنی ہوں گے۔ اس وقت آپ بشریت کے افق اعلیٰ پر تھے تاکہ بشریت کے دائرے سے نکل کر روحانیت محضہ میں داخل ہو جائیں پھر آپ اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہو گئے کہ دونوں میں صرف دو قوسوں (کمانوں) ہی کا فرق رہ گیا یعنی آپ میں قوس حدوث و امکان اور اللہ تعالیٰ میں قوس وجوب و قِدَم، اتصالِ حقیقی اور اتحاد ذاتی سے مانع تھے۔ یہ تقرب جب حاصل ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے جو چاہا اپنے بندے کو تبلا دیا۔ اس تفسیر کو صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے جن میں حضرت انس، حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ تفسیر مظہری میں یہی تفسیر اختیار کی گئی ہے، تفسیر حقانی، بیان القرآن اور معارف القرآن سے بھی ان مطالب پر روشنی پڑتی ہے۔ حلاج کی کتاب الطواسین کا مرکزی نقطہ سورۂ نجم کی یہی آیات ۵ لغایت ۸ ہیں جن میں معراج کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ماخوذ از تفسیر حقانی)

الف :۔ احدیت کی طرف اور انعامات الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔

الٓمٓ :۔ اس میں الف وحدانیت ذات، لام ازلیت صفات اور میم ملک کی طرف اشارہ ہے یا الف سے سرّ ذات لام سے سرّ صفات اور میم سے سرّ قِدَم (ہمیشگی) مراد ہے۔

رسم التوحید :۔ اسمائے الٰہی کے بارے میں عقل کی معرفت ہے۔ اسی طرح صفات کے بارے میں معرفت عقل کو رسم التوحید سے تعبیر کیا جاتا ہے چاہے یہ معرفت علماً ہو یا رسماً۔

اسم التوحید :۔ معرفت قلب ہے جس میں تنزیہہ صفات اور تقدیس مطلوب ہے۔ یہاں اضداد و امثال و اشباہ کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ یہ مقام اس وقت ملتا ہے جب دل میں شک و شبہ اور کفر و جہل کی گنجائش نہ ہو۔

نُورالتوحید :۔ معرفت رُوح ہے۔ روح، لوائح تجلی کو دریافت کر لیتی ہے اور اس وقت یہ مقام اسے ملتا ہے جب وہ سیر فی الجبروت میں ہوتی ہے اور عالم ملکوت سے نکل آتی ہے۔

سِرالتوحید :۔ محض مشاہدۂ حق کی بنا پر ادراک برتر ہے۔ یہ رویت الصفت بالصفت، رویت الذات بالذات، رویت النور بالنور، رویت الھویۃ، بالھویہ، رویت الفردانیہ بالفردانیہ، رویت العزت بالعزت اور رویت الکبریا بالکبریا کہلاتی ہے۔ اس کی ابتدا انتہا نہیں۔ کیف، کان، حیث، این اور قبل و بعد کو یہاں دخل نہیں ہے۔ یہاں تک معرفت کی پہنچ ہے۔ اس کے بعد کنۂ ذاتِ حق میں عالم متلاشی ہو جاتا ہے اس کے اوپر کشف الانوار کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں خصائص الاسرار کا ظہور اور حقیقت وحق الحقیقت کا بروز ہوتا ہے۔ طاسین التوحید اور طاسین الاسرار فی التوحید میں ان ہی مقامات کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔

باھوت، ھاھوت اور لاھوت

احدیت :۔ یہ غیب الغیب کو شامل ہے اس کو مقام باہوت کہتے ہیں۔

الوھیت :۔ واجب الوجود اور ممکن الوجود کو شامل ہے ان دونوں کو ملا کر مقامِ ھاہوت کہا جاتا ہے۔

صفات و حقائق :۔ ان دونوں کو ملا کر مقام لاہوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ربوبیت :۔ عالمِ ارواح کو شامل ہے اسی کا دوسرا نام مقام جبروت ہے۔

عبودیّت :۔ یہ عالمِ مثال کو شامل ہے جسے مقامِ ملکوت بھی کہتے ہیں۔

ناسوت :۔ اسی کو بندہ (محدود) بھی کہتے ہیں۔ یہ عالمِ اجسام ہے۔

ذات بحت، کنز مخفی، مقامِ محمدی۔ مقام انا لا غیری

ذات بحت :۔ جس کو علم الغیب بھی کہتے ہیں۔ تحیر اور محویت کا مقام ہے یہاں علم انسانی عاجز آتا ہے۔ اس پر حیرت اور محویّت چھا جاتی ہے اور وہ فنا ہو جاتا ہے

یہی مقام فنافی الذات کہلاتا ہے۔

کنز مخفی :۔اسی کو احدیت کہتے ہیں اور یہی پہلا درجہ ہے۔ اس مقام پر صفات کو ذات سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

شئونات اس کے نیچے شئونات کا درجہ ہے جس کو وحدت ، یا مقام محمدی یا مقام انا لاغیری کہا جاتا ہے۔

صفات :۔اس کے نیچے صفات کا درجہ ہے جس کو واحدیت اور حقیقت انسانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ذات بحت کا ادراک ناممکن ہے۔اس کے بارے میں کہا جاتا ہے

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند، شنیدیم و خواندہ ایم

اعیان :۔علم الٰہی میں صور علمیہ کا نام ہے۔

ذات :۔جس سے صفات کا ظہور ہوتا ہے۔بعض حضرات نے ذات کو ہستی سے تعبیر کیا ہے۔لیکن ہستی ، وحدت کے ان چار پہلوؤں پر مشتمل ہے۔یعنی (۱) علم (۲) نور (۳) وجود (۴) شہود۔پس ذات کا ان تمام صورتوں سے بلند ہونا ضروری ہے۔

فرد :۔وہ سالک جسے مقام جمع حاصل ہو جائے۔جو مدارج سلوک میں سب سے اونچا درجہ ہے۔پھر وہ اپنے تجربات کے ذریعہ نزول کرتا ہے۔اور جب وہ دوبارہ اسی مقام پہنچتا ہے تو اسے جمع الجمع کہتے ہیں۔

جلال :۔ صفات کا ذات میں گم جانا۔

جمال :۔ صفات کا ظہور

رسم :۔ ذات محدود، مع صفات محدود۔ محدود سے نکلا ہے۔تمام ماسوا خدا کے ارادے اور مشیت کے آثار ہیں

ضمیر :۔عالم ملکوت میں پہلا درجہ۔قلب عارف کا اندرونی رُخ۔

ام الکتاب :۔ علم خداوندی۔

اسم :۔ اس سے مراد اسم مع مسمیٰ ہوتا ہے۔

کتاب مبین :۔ لوح محفوظ مراد ہے۔

سیر :۔ سالک کا ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک سفر۔ اس کی یہ قسمیں ہیں۔

سَیر اِلی اللہ ۔ خدا کی طرف سالک کا سفر۔ یہ ایک سفر ہے جو نفس سے قلب کی طرف ہوتا ہے۔ اس میں تجلیات اسمار کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

سَیر فی اللہ ۔ (یعنی خدا میں سفر) یہ سفر اسمار سے واحدیت کی طرف ہوتا ہے۔ اس میں سالک صفات خداوندی کو دیکھتا ہے۔

سیر مع اللہ (خدا کے ساتھ سفر) یہ احدیت سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بقا کا مقام ہے یہاں دُوئی مٹ جاتی ہے اور صرف تجلی خداوندی رہجاتی ہے۔ یعنی یہ تجلی ذات کا مقام ہے۔

حل لغات

باب اوّل ۔ طاسین السراج

اندلّ ۔ اندلال ۔ راستہ پانا ۔ پانی کا گرنا ۔

قِدَم بالکسر و فتح ثانی ۔ ہمیشگی ۔

رفوی ۔ رفی ۔ درست کرنا ۔ رفو کرنا ۔

صدا ۔ لوہے کا زنگ جو اس کو لگ جاتا ہے ۔

مغلول ۔ دشمنی اور کینہ سے متاثر ۔ غِل بالکسر دشمنی، کینہ ۔

باب دوم ۔ طاسین

فراش بالفتح ، پروانہ پتنگا ۔

دلال بالفتح ناز و نخرہ ، ناز و نعمت

متصاغر حقیر و پست ۔ تصاغر ۔ حقیر و پست ہونا

متطایر پراگندہ ۔ تطایُر ۔ پراگندہ ہونا

حاز اکٹھا کیا ۔ حَوز اکٹھا کرنا ۔ اور اگر حَوَر (برائے مہملہ) ہو تو متحیر ہونا ۔

جانی ۔ گناہگار ۔ جنایت کا اسم فاعل

غمض ۔ کلام کا باریک اور دقیق ہونا ۔ آنکھ کا بند کرنا ۔ رعایت کرنا ۔

رَین ۔ زنگ آلودہ ہونا ۔ گناہ ۔ خباثت کا دل پر غلبہ کرنا ۔

مَین ۔ دروغ ۔ جھوٹ بولنا ۔

باب سوم۔ طاسین

شہیقہ۔ نار کی صفت ہے یعنی دھاڑتی ہوئی آگ۔

تسوّح۔ بہانا۔ خوش بیانی سے بولنا۔ اپنے آپ کو سیاحت کا شائق کرنا۔

کدّ۔ کوشش۔ سخت کام اور کوشش کرنا۔

حیاط۔ نگہبانی اور حفاظت۔

اصطلاد۔ سخت ہونا۔ چٹان کی طرح ہونا۔

یتقّظ۔ غالباً یہ تیقظ ہے۔ بمعنی بیداری

مہل۔ جمع مہلہ۔ آہستگی۔ نرمی۔ فرصت۔

برز و براز۔ درختوں سے خالی کھلا وسیع میدان

باب چہارم۔ طاسین

برّانی۔ منسوب بر کی طرف۔ اس کی ضد جوّانی، منسوب جو (فضا) کیطرف ہے۔

مفازہ۔ بیابان

باب پنجم۔ طاسین

یفوت۔ فات یفوت۔ آگے بڑھنا۔

اکام۔ جمع اکمہ، ٹیلہ۔

حاجر۔ ایک دوسرے کو روکنا۔ ایک دوسرے کے لیے رکاوٹ بننا۔

جاد۔ جود۔ اچھا بنانا۔ بخشش میں غالب آنا۔

تائق۔ آرزومند، تائق و تیّق۔ پرجوش و غضبناک۔

نمارق۔ چھوٹے تکیے۔ نمرقہ کی جمع ہے۔

صفائق۔ حوادث۔ حادثات۔ آنے جانے والے قافلے۔ صفوقہ، ایسا اونچا پہاڑ جس پر چڑھنا مشکل ہو۔

بوائق۔ مصائب۔ بائقہ کی جمع ہے۔ بائق بے قیمت سامان کو بھی کہتے ہیں۔

مرعوی ۔ اپنی غلطی سے رجوع کرنے والا۔

تمویہ ۔ کسی چیز کو سنہرا یا نقرئی کرنا۔ کسی کو چھپانا۔ کسی چیز کی خبر دینا۔ جب کہ اس چیز کا سوال نہ کیا جائے۔

تیہ ۔ بیابان ۔ وہ بیابان جس میں موسیٰ علیہ السلام کی قوم سرگرداں رہی۔

تحرّص ۔ تبکلف کسی چیز کا طمع کرنا۔ وقت کا انتظار کرنا۔

طمس ۔ طموس ۔ دور ہونا، ستارہ یا آنکھ کی روشنی کا زائل ہونا۔ کسی چیز کو مٹانا۔ اثر کو جڑ سے دور کر دینا۔

مُہرب ۔ ہرب، بھاگنا۔ اِہراب، بھگانا۔ مہرب بھگانے والا۔

ہمد ۔ دھیما، سُست۔

رمد ۔ درد ۔ دُکھ ۔

باب ششم ۔ طاسین

تہویس ۔ دیوانگی ۔ سراسیمگی ۔

مُعوّل ۔ پناہ گاہ ۔ جائے حاجت ۔

اخلیٰ ۔ زیادہ خالی اور اگر احلیٰ ہو تو بمعنی زیادہ شیریں ۔

سرق الرقیق ۔ ریشمی کپڑے کے ٹکڑے ۔

مسح الاسود ۔ سیاہ ٹاٹ کے ٹکڑے ۔

علق ۔ مصدر ۔ علاقہ ۔ علق ، ہر شے کا نفیس ۔

سہیقہ ۔ جائے بازگشت ، سہق ۔ لمبے قدموں سے چلنا ۔ سہیق دراز پنڈلیوں والا ۔

تاریس ۔ پودا لگانا ۔ کاشت کرنا ۔ بنیاد در بنیاد قائم کرنا ۔

تعریس ۔ آخر شب میں آرام کے لیے اترنا ۔ پکڑ کرنا ۔ محبت کرنا ۔ چکی کے ایک پاٹ کو دوسرے کے اوپر رکھنا ۔

تردیس متکبّرانہ چال چلنا ۔ تکبر و غرور ۔

مراض ۔ نرم ۔ پست زمین

مُحِیل۔ بالضم ، مکرو حیلہ کرنے والا۔ مَحِیل بالفتح ، جائے بازگشت۔

مُصمصِص۔ پانی کو زبان سے ہلانا۔

مغابصہ۔ غبص سے ہے جس کے معنی کثرت گریہ سے آنکھ کا
چرک آلود ہونا ہے۔

رمیص۔ وہ آنکھ جو بہت میل اور ڈھید والی ہو۔ رمص آنکھ سے
میل کا بہنا۔

شراہمہ۔ شرم ۔ بینی بریدہ ہونا۔ ذلیل وخوار ہونا۔

برہمیہ ۔ برم ، بے دلیل اور بے حجت ہونا۔ تنگ دل ہونا ممکن ہے
کہ ابلیس کے پیش نظر یہ لفظ ان ہی مادّوں سے ہوں ۔

وصیص۔ وَصّ سے ہے۔ عمل کو مضبوط بنانا ۔

قواصی۔ جمع قاصیہ ، مونث قاصِ بمعنی بعید ، دور

مفل ۔ فل سے ہے جس کے معنی شکست خورہ ہونا اور عقل کا
زائل ہونا ہے ۔ ہو سکتا ہے مصدر میمی ہو ۔

ومیض۔ ومض سے ہے جس کے معنی ہیں بجلی کا ہلکا چمکنا۔ اس
کی روشنی کی شدّت نہ ہو۔

فطہیمہ۔ ممکن ہے طہم سے ہو۔ مطہم ۔ نحیف الجسم اور ناتواں کو کہتے ہیں۔

ضواریہ ضواری ، ضاریہ کی جمع ہے۔ ضرا ، یضرو ۔ خون کا رگ
سے ایسا بہنا کہ پھر بند نہ ہو۔ اور اگر ضرِی یضرٰی سے
ہو تو کسی چیز خاص طور پہ۔ شکار کا بہت شوق رکھنا۔
فارسی کے متن میں صوارم ہے جو صارم (شمشیر ، آبدار
کی جمع ہے ۔

مخیلیہ مخیل ، اَخَال سے ہے جس کے معنی فراست سے بھلائی

کا پتہ لگاتا ہے۔ اور اگر مُخیلہ تو تخیّل سے ہے جس کے معنی مشہور ہیں۔

عمایا۔ عمیہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی گمراہی، غرور اور اندھاپن ہیں۔

باب نہم۔ طاسین

فازع۔ عین سے فزع کا اسم فاعل ہے۔ خوف کھانے والا۔ فزع (عین سے) معلوم نہیں ہو سکا۔

نازغ۔ (غین معجمہ سے) نزغ سے ہے۔ حرکت دینے والا، عیب لگانے والا۔

وازغ۔ آہستہ آہستہ نکلنے والا۔ جیسے زخم سے خون نکلے۔

لابوص۔ لوص سے ہے۔ اس کے معنی الگ کرنا اور دروازے کی دراڑ سے دیکھنا ہے۔

باب دھم۔ طاسین

مِقل۔ جمع مِقلہ، اندازہ

مسمور۔ کیل وغیرہ سے بند کیا ہوا۔ مبہور، مغلوب۔

ہایر و حایر ہایر، جوش مارنے والا، کم عقل، حایر، متحیر۔

صایر و ہائر صائر، منقلب، متردد، ھایر، ہلاکت میں ڈالنے والا۔ سرگشتہ، سرگردان۔

عایر۔ نایر عایر، چکر لگانے والا، نایر، چمکنے والا، شر انگیز دھوکہ دینے والا۔

باب یازدھم۔

آیبہ اَوب سے ہے۔ اوب بمعنی رجوع کرنا اور لَوٹنا۔

مدی غایت، حد

لاہیہ، شاہیہ۔ لہو و شہوہ کا اسم فاعل

کتابیات

۱۔ فہرست — ابن ندیم
۲۔ کشف المحجوب — داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ تذکرۃ الاولیاء — فرید الدین عطار رح
۴۔ عوارف المعارف — شیخ شہاب الدین رح
۵۔ گلشن راز — محمود شبستری رح
۶۔ نفحات الانس — مولانا جامی رح
۷۔ لوائح — مولانا جامی رح
۸۔ سفینۃ الاولیاء — شہزادہ داراشکوہ
۹۔ تفسیر حقانی — مولانا عبدالحق حقانی رح
۱۰۔ خزینۃ الاصفیاء — مفتی غلام سرور لاہوری رح
۱۱۔ کلیات امدادیہ — حاجی امداد اللہ مہاجر رح
۱۲۔ روز بہاں نامہ — محمد تقی دانش پژوہ (ایران)
۱۳۔ روح الجنان — عبداللطیف شمس (ایران)
۱۴۔ تذکرہ اولیاء ہند و پاک — اختر علی
۱۵۔ انوار اصفیاء — ادارۂ تصنیف و تالیف۔ لاہور
۱۶۔ شریعت و طریقت — صوفی محمد دین
۱۷۔ معارف القرآن — مفتی محمد شفیع

۱۸۔ کتاب الاعلام — زرکلی

۱۹۔ لغت نامہ — علامہ دہخدا

۲۰۔ سویرا۔ خاص شمارہ۔ لاہور — مئی ۱۹۷۶ء

۲۱۔ طواسین منظوم (اُردو) — پروفیسر جیلانی کامران

۲۲۔ قوس زندگی حلاج (ماسنیون) — ترجمہ: ڈاکٹر صابر آفاقی

انگریزی

23- Studies in Tasawwf — Kh. Khan-

24- The Secret of Anwarl-Haqq — Do

25- The Tawaseen — Aisha Abd ul Rahman-

26- The Doctrine of Sufis — A-J. Arberry-

27- Anul Haq — Jilani Kamran-

لُغات

۲۸۔ قاموس

۲۹۔ منتہی الارب

۳۰۔ منتخب

۳۱۔ منجد

۳۲۔ غیاث

۳۳۔ لُغت نامۂ دہخدا

المعارف

گنج بخش روڈ لاہور

تصوف کی بہترین کتابیں پیش کرنے والا ادارہ

شمائل رسولؐ — یوسف نبہانیؒ
سیرت رسولؐ — ساجد الرحمٰن
صحیفہ نور — عزیز حاصلپوری
طواسین — ابن حلاجؒ
کتاب اللمع — ابو نصر سراجؒ
فصوص الحکم — ابن العربیؒ
فتوح الغیب — عبد القادر جیلانیؒ
خلاصۃ المفاخر — امام یافعیؒ
کشف المحجوب — شیخ علی ہجویریؒ
تعرف — امام کلاباذیؒ
الاوراد — بہاؤ الدین زکریا
آداب المریدین — ضیاء الدین سہروردیؒ
لوائح — عبد الرحمٰن جامیؒ
صد میدان — عبد اللہ انصاریؒ
انفاس العارفین — شاہ ولی اللہؒ
الطاف القدس — شاہ ولی اللہؒ
ہشت محفل — شاہ ابو المعالیؒ
مرآت العاشقین — شمس الدین سیالویؒ
مکتوبات — خواجہ معصوم سرہندیؒ
وصایا — شہاب الدین سہروردیؒ
ابدالیہ — یعقوب چرخیؒ

سیر الاولیاء — محمد مبارک کرمانیؒ
گلزار ابرار — محمد غوثی شطاریؒ
مناقب المحبوبین — نجم الدین سلیمانیؒ
حدیقۃ الاولیاء — غلام سرور لاہوری
خزینۃ الاصفیاء — غلام سرور لاہوری
مدینۃ الاولیاء — محمد دین کلیم
شیخ عبد القادر جیلانیؒ — فاروق القادری
شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ — نسیم چوہدری
سلطان الہندؒ — معنی اجمیری
خواجہ فرید الدین مسعودؒ — خلیق نظامی
فرید الدین گنجشکرؒ — جعفر قاسمی
خواجہ سلیمان تونسویؒ — ڈاکٹر محمد حسین
ہوالمعظمؒ — غلام نظام الدین
حسین بن منصور حلاجؒ — لوئی ماسی نوں
مقامات سلطان باہوؒ — احمد سعید ہمدانی
فاضلی انوار الٰہی — فضل شاہ قطب عالمؒ
تصوف اسلام — عبد الماجد دریابادی
دعوت ارواح — ارشد قادری
بیماری اور اس کا روحانی علاج — میاں ولی الدین
اقبال اور تصوف — ڈاکٹر محمد ریاض
اقبال اور ابن حلاج — ڈاکٹر محمد ریاض

لاہور

گنج بخش روڈ لاہور

المعارف

تصوف کی بہترین کتابیں پیش کرنے والا ادارہ

شمائل رسول ﷺ	یوسف نبہانیؒ
سیرت رسول ﷺ	ساجد الرحمٰن
صحیفۂ نور	عزیز حاصلپوری
طواسین	ابن حلاجؒ
کتاب اللمع	ابو نصر سراجؒ
فصوص الحکم	ابن العربیؒ
فتوح الغیب	عبد القادر جیلانیؒ
خلاصۃ المفاخر	امام یافعیؒ
کشف المحجوب	شیخ علی ہجویریؒ
تعرف	امام کلاباذیؒ
الاوراد	بہاؤ الدین زکریا
آداب المریدین	ضیاء الدین سہروردیؒ
لوائح	عبد الرحمٰن جامیؒ
صد میدان	عبد اللہ انصاریؒ
انفاس العارفین	شاہ ولی اللہؒ
الطاف القدس	شاہ ولی اللہؒ
ہشت محفل	شاہ ابو المعالیؒ
مرأت العاشقین	شمس الدین سیالویؒ
مکتوبات	خواجہ معصوم سرہندیؒ
وصایا	شہاب الدین سہروردیؒ
ابدالیہ	یعقوب چرخیؒ

سیر الاولیاء	محمد مبارک کرمانیؒ
گلزار ابرار	محمد غوثی شطاریؒ
مناقب المحبوبین	نجم الدین سلیمانیؒ
حدیقۃ الاولیاء	غلام سرور لاہوری
خزینۃ الاصفیاء	غلام سرور لاہوری
مدینۃ الاولیاء	محمد دین کلیم
شیخ عبد القادر جیلانیؒ	فاروق القادری
شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ	نسیم چوہدری
سلطان الہندؒ	معنی اجمیری
خواجہ فرید الدین مسعودؒ	خلیق نظامی
فرید الدین گنج شکرؒ	جعفر قاسمی
خواجہ سلیمان تونسویؒ	ڈاکٹر محمد حسین
ہو المعظم	غلام نظام الدین
حسین بن منصور حلاجؒ	لوئی ماسی نوں
مقامات سلطان باہوؒ	احمد سعید ہمدانی
فاضلی انوار الٰہی	فضل شاہ قطب عالمؒ
تصوف اسلام	عبد الماجد دریابادی
دعوت ارواح	ارشد قادری
بیماری اور اس کا روحانی علاج	میاں ولی الدین
اقبال اور تصوف	ڈاکٹر محمد ریاض
اقبال اور ابن حلاج	ڈاکٹر محمد ریاض

ابنِ حلّاج رح

طواسین

المعارف گنج بخش روڈ لاہور